بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۰ ماہ مارچ ۲۰۱۲ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ شمارہ نمبر ۳

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۹
۳	حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہاد "تجدید"	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۱۵
۴	حضرت اقدس تھانویؒ کی مجلس ارشاد	حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادیؒ / مولوی یحییٰ نعمانی	۲۷
	اللہ پر توکل کیجیے	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۳۵
۵	دور حاضر میں اسلامی سزاؤں کی معنویت	مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی	۴۵
۶	الفرقان کی ڈاک		۵۲

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ
بصیغہ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱-اورنگ آباد	مولانا انیس الرحمٰن ندوی	(0)9423456752
۲-مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳-بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴-بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان　عمومی 180 روپئے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان　خصوصی خریداران 400 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ)　210 روپئے
☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں -/1200 ہندوستان میں -/750 روپے
☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز　-/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر　خصوصی خریداران -/30£

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان -/5000 روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ　1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721352

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663896 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ - 226018

فون نمبر: 0522-4079758　e-mail : alfurqan_lko@yahoo.com

خلیل الرحمٰن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

مدیر

قطر، جزیرۂ عرب کے شمال مشرقی ساحل پر واقع، ایک چھوٹی سی عرب خلیجی ریاست ہے، ۱۹۷۱ء میں اسے برطانوی استعمار سے ''بظاہر'' مکمل آزادی ملی تھی۔ انیسویں صدی سے جو ''آل ثانی'' خاندان وہاں حکمرانی کررہا تھا، آزادی کے بعد بھی اسی کا اقتدار جاری رہا، ۱۹۹۵ء میں اس وقت کے حکمراں خلیفہ بن حمد آل ثانی کے بیٹے حمد بن خلیفہ آل ثانی نے اپنے والد کو معزول کر کے اقتدار پر قبضہ کرلیا تھا، تب سے اب تک وہی وہاں کے حکمراں ہیں۔

حال ہی میں دو اہم خبریں قطر سے آئی ہیں، جن میں سے ایک امارت اسلامی افغانستان کے دفتر کا وہاں قیام، اور دوسری خبر ہے فلسطینی تحریک کے مختلف بلکہ باہم متحارب فریقوں کے قائدین کا حالیہ دورۂ قطر، جس کے بعد وہاں کچھ اہم اعلانات کئے گئے ہیں، آج کی گفتگو میں ان واقعات کے متوقع آثار ونتائج پر اپنی محدود معلومات کے مطابق کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔

پہلے تو یہ جان لیجئے کہ قطر کی حکومت نے جو خارجہ پالیسی اپنائی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے اس نے عالمی برادری میں اپنے لئے ایک خاص مقام بنالیا ہے۔ عام طور پر قطر کو دنیا میں ایک ایسے ملک کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جو عالمی حالات وواقعات پر سنجیدہ، غیر جذباتی، حقیقت پسندانہ، مثبت اور معتدل نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ اور دو ملکوں، یا کسی ملک کے مختلف گروہوں کے درمیان نزاعات کو سلجھانے اور قیام امن کی کوشش کرنے کی غرض سے فعّال کردار ادا کرنے میں گہری دلچسپی بھی رکھتا ہے۔ اور لبنان، سوڈان، یمن اور بعض افریقی ممالک میں اس سلسلے میں اس کی کارکردگی کی وجہ سے خطّے اور بین الاقوامی برادری میں اس کی شبیہ اچھی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ اس کے تعلقات کی جو تاریخ ہے، اسکی وجہ سے بہت سے لوگ اسے دوسری خلیجی ریاستوں سے ذرا بھی مختلف نہیں گردانتے، بلکہ مغرب کی کاسہ لیسی میں

اسے کچھ سِوا ہی جانتے ہیں، تاہم بعض مبصرین کا خیال ہے کہ اس سب کے باوجود قطر کے حکمرانوں نے مختلف حسّاس مسائل میں جو پالیسی اپنائی ہے، یا جو قدم اٹھائے ہیں ان کی وجہ سے کسی حد تک، انہیں کچھ مختلف خانے ہی میں جگہ دینا از روئے انصاف مناسب ہوگا۔مثال کے طور پر غزہ پر اسرائیلی حملے کے بعد قطر نے اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔اسی طرح قطر اور ترکی کے درمیان گذشتہ برسوں میں تعلقات میں جو گرم جوشی، اور رابطوں میں جو تیزی، نیز مختلف مسائل میں جو اصولی اتفاق رائے نظر آرہا ہے، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شرق اوسط اور خطے کے بدلتے ہوئے حالات کو سمجھنے میں اور۔خواہ اپنے مصالح کے تحفظ ہی کے مقصد سے ہو۔ بروقت قدم اٹھانے میں وہ زیادہ سیاسی شعور اور چستی و بیداری کا ثبوت دے رہا ہے۔

قطر کے بارے میں اس نقطۂ نظر کے حامل مبصرین کی رائے میں یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہیں کہ قطر نے ''الاخوان المسلمون'' اور ''حماس'' جیسی تنظیموں کے اعلیٰ سطحی قائدین کو اپنے یہاں نہ صرف ''پناہ'' دے رکھی ہے، بلکہ ایک حد تک اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کا موقع بھی دے رکھا ہے—— علاوہ ازیں عالم عربی کی انقلابی لہر میں قطر نے جس طرح کھل کر عوامی لہر کا ساتھ دیا ہے، وہ بھی کم از کم مبصرین کی اس جماعت کی رائے میں قطر کو۔تمام احتیاطوں کے ساتھ سہی۔قدرے مختلف زاویہ سے دیکھنے کے موقف کو تقویت فراہم کرتا ہے۔اور جہاں تک امریکہ کے ساتھ اس کے قریبی رابطوں کا سوال ہے تو ان مبصرین کے خیال میں اس میں بھی اس کا رویّہ بالکل علانیہ اور شفّاف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس کے اس موقف سے اختلاف یقیناً کیا جاسکتا ہے، مگر اس پر منافقانہ اور مجرمانہ نفسیات کے ساتھ چوری چھپے کام کرنے کا الزام شاید نہیں لگایا جاسکتا۔

یہ ہے راقم سطور کی انتہائی محدود معلومات کے مطابق وہ قطر، جس نے حال ہی میں دو بڑے قدم اُٹھائے ہیں۔

پہلا قدم تو اس نے یہ اُٹھایا کہ اس نے افغان امارت اسلامی کی قیادت کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ قطر میں اپنا باقاعدہ دفتر کھول کر براہ راست گفتگو کا آغاز کریں—— قطر کا یہ پیشکش کرنا اگر اہمیت رکھتا ہے تو باخبر حلقوں کے نزدیک اس سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ افغانی قیادت نے اس پیشکش کو قبول کرلیا، ۱۵؍جنوری 2012 کو اس نے اس پیشکش اور مذاکرات کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

''امارت اسلامی کی فتح کا باقاعدہ اعلان کرنے کا وقت آگیا ہے، اور ہم نے عسکری

میدان میں فتح حاصل کرنے کے بعد دنیا کو یہ بھی تسلیم کرادیا کہ امارت اسلامی عسکری طاقت ہونے کے علاوہ ایک منظم سیاسی طاقت بھی ہے —— اپنے باقاعدہ دفتر کے افتتاح کے لئے قطر کی سرزمین کا انتخاب بھی امارت اسلامی کے سیاسی تدبر کا ایک نمونہ ہے۔ اگر اس کے لئے کسی پڑوسی ملک کا انتخاب کیا گیا ہوتا تو کرزئی انتظامیہ کو روزآنہ ایک نئے پروپیگنڈے کا موقع مل جاتا۔ اور اگر یہ دفتر سعودی عرب یا کسی اور ملک میں کھولا گیا ہوتا تو کسی اور کو پاکستان اور سعودیہ کے قریبی تعلقات کی وجہ سے شکوک پیدا ہوتے، ترکی کا انتخاب بھی ہم نے اس لئے نہیں کیا کہ وہ خود NATO کا رکن ہے۔ مگر قطر کے تعلقات چونکہ سب ہی متعلقہ فریقوں سے بہت متوازن ہیں، اس لئے ہمارے خیال میں اس قسم کے دفتر کے لئے بہترین مقام وہی ہوسکتا ہے۔" [۱]

بہرحال اس سلسلۂ مذاکرات سے جہاں ہمیں اچھی امیدیں بھی ہیں، وہیں اندیشے بھی ہیں، اس لئے کہ امریکہ اور اس کے حلیفوں کے ساتھ مذاکرات کی تاریخ کتنے تلخ تجربات کو یاد دلاتی ہے، اس کا تذکرہ بہت تفصیل طلب ہے، اور اسکی یہاں گنجائش نہیں۔ بس دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ خدا کرے مذاکرات کے نتیجے میں افغانستان اور خطے میں امن اور انصاف کا قیام ہی عمل میں آئے۔ اور جو فتح بیرونی دشمنوں پر اِن جیالوں کو ملی ہے، اس سے بھی بڑی فتح انھیں اپنے نفس پر ملے، اس لئے کہ قطر کے فلک بوس ہوٹلوں کے شاندار ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں جو "فتوحات" ان کی میزبانی کریں گی ان کا مقابلہ کرنا افغانستان کی سنگلاخ زمین پر امریکہ اور اتحادی فوجوں کی بے تحاشا بمباریوں اور گولہ باریوں کے مقابلے سے زیادہ سخت اور زیادہ صبر آزما ہوگا — ہم دور افتادہ ان کے لئے دعا ہی کرسکتے ہیں، اور بار بار راقم سطور اپنے قارئین کی توجہ اس طرف دلاتا رہا ہے کہ یہ وہ کم سے کم درجے کی خدمت ہے جو ہمیں اپنے اِن بھائیوں کی ضرور کرنی چاہئے —

دوسرا قابل ذکر قدم جو قطر کی حکومت نے حال ہی میں اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ فلسطین کے دونوں دھڑوں حماس اور فتح کے درمیان جو معاہدہ چند ماہ قبل مصری ثالثی کے ذریعہ طے پایا تھا، اور جس پر عمل درآمد نہیں ہو پا رہا تھا، اس سلسلہ میں قدم آگے بڑھانے کے لئے حکومتِ قطر نے دونوں فریقوں کو قطر میں بُلا

---

[۱] بیان کے اصل متن کو دیکھنے کے لئے دیکھیں www.nefafoundation.org

کر مذاکرات کی میز پر بٹھایا۔ اور بالآخر ۶ ؍فروری 2012 کو امیر قطر شیخ حمد بن خلیفہ آل ثانی کی موجودگی میں فلسطینی صدر محمود عباس اور حماس کے لیڈر خالد مشعل نے ایک معاہدے پر دستخط کردیئے۔ اس معاہدے کی رو سے جو اصولی باتیں طے پائی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- فلسطین میں ایک عبوری اتحادی حکومت تشکیل دی جائے گی، جس کی قیادت محمود عباس کریں گے۔

۲- اس حکومت میں مختلف شعبوں کے ماہرین وزارت کے عہدے سنبھالیں گے، جن کی غیر جانب داری معروف اور مسلّم ہوگی۔

۳- حماس کے ارکان اس حکومت میں شامل نہیں ہوں گے۔

۴- اس حکومت کا اصل کام ملک میں عام انتخابات کرانا ہوگا۔

تجزیہ نگاروں کے خیال میں حماس سے فاصلے کم کرنے کے لئے محمود عباس کی آمادگی کی چند وجوہات ہوسکتی ہیں؛ جن میں سے ایک یہ ہے کہ انھیں یہ محسوس ہورہا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ برسوں سے جاری مذاکرات میں ایک انچ بھی پیش رفت نہیں ہورہی ہے اور مذاکرات کے ذریعہ صرف اسرائیل وقت حاصل کررہا ہے اور وہ اس وقفہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فلسطینی علاقوں میں اپنی آبادیاں مسلسل بڑھاتا چلا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام میں اُن کی ساکھ گرتی جارہی ہے۔ وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ وہ بہت دنوں تک انتخابات کو نہیں ٹال سکتے، اور وہ ایسی صورت حال میں انتخابات میں نہیں جانا چاہتے کہ وہ اسرائیلیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کو مسلسل اپنے منصوبے کے مطابق آگے بڑھنے کا موقع دیتے ہوئے، نیز فلسطینیوں کو ہلاک اور گرفتار کرکے جیل میں ٹھونستے ہوئے نظر آرہے ہوں۔

دوسری وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ گذشتہ ماہ اسرائیل نے محمود عباس کو مذاکرات کے درمیان جو نقشہ پیش کیا، اس کی رو سے مشرقی یروشلم (بیت المقدس) اور مغربی کنارے کے زیادہ تر علاقے اسرائیل اپنے پاس ہی رکھنے پر بضد ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جسے محمود عباس، عوامی رائے عامہ کے زبردست ردّعمل کے ڈر سے تسلیم نہیں کرسکتے ـــــ ایک وجہ یہ بھی بتائی جارہی ہے کہ محمود عباس کی زیادہ تر دلچسپی اس سے ہے کہ امریکہ سے انہیں جو زبردست مالی امداد ملتی ہے وہ جاری رہے، اور خبروں کے مطابق اس بابت انہیں قطر کے حکام نے اپنی طرف سے یقین دہانی کرادی ہے کہ کئی گُنا اضافے کے ساتھ وہ انہیں امداد فراہم کرتا رہے گا۔

جہاں تک حماس کا تعلق ہے، کہا جارہا ہے کہ بظاہر کافی دب کر معاہدے کی یہ شرائط جو اس کی

قیادت نے منظور کی ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے قائدین کو امید ہے کہ انتخابات میں وہ اپنی بڑھی ہوئی عوامی مقبولیت کو ثابت کر دیں گے، اور پھر مغربی طاقتوں اور اسرائیل کے لئے انہیں ایک دہشت گرد گروہ قرار دے کر مسلسل نظر انداز کرتے رہنا اور فلسطینیوں کی نمائندگی کا حقدار تسلیم نہ کرنا زیادہ مشکل ہوتا جائے گا، انہیں یہ بھی امید ہے کہ مصر اور دوسرے عرب ممالک میں ہونے والی تبدیلیوں کے بعد امریکہ اور مغرب کو اسرائیل کے معاملے میں اپنی سو فیصد یکطرفہ پالیسی کو بہرحال تبدیل کرنا ہی پڑے گا۔

علاوہ ازیں اس بات کے بھی قرائن موجود ہیں کہ جس طرح تیونس، مراکش، اور مصر وغیرہ میں اسلام پسند عناصر معاشرے کے دوسرے لبرل اور سیکولر طبقوں کو ساتھ لیکر چلنے کی جو رَوِش اپنا رہے ہیں، اسے دیکھ کر حماس نے بھی اب اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ نیز وہ چاہتے ہوں کہ انھیں کُھل کر عوام کے سامنے اپنا موقف رکھنے کا موقع ملے، جس سے ان کو اچھے نتیجوں کی یقینی توقع ہے۔

بلاشبہ حقیقتِ حال کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ حکمت عملی میں تبدیلی ہو تو ہو، مکمل انصاف کے حصول کے نصب العین اور اجتماعی ارادے میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔

بایں ہمہ واقعہ یہی ہے کہ حماس کے اصولی موقف میں تبدیلی کے اندیشوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ قطر ہی سے ایک اشارہ ایسا ملا ہے جس سے حماس کی قیادت کے عزائم اور حوصلوں کے بارے میں اندیشوں کی بہ نسبت امیدوں والے پلڑے کا وزن بڑھتا ہوا نظر آتا ہے؛ قطر کی قیادت کی درخواست پر غزہ میں حماس کی حکومت کے وزیر اعظم اسماعیل ھنیہ نے وہاں کی عظیم جامع مسجد جامع محمد بن عبدالوہاب میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور ایک طویل خطبہ دیا، اس میں بیت المقدس کی حفاظت کی راہ میں آخری دَم تک جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کا جس صراحت کے ساتھ انہوں نے ایک بار پھر اعلان کیا، اور برسرِ منبر انہوں نے پوری امت کو جو پیغام دیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بظاہر اپنے اصل ہدف "مکمل انصاف کے حصول" میں کوئی تبدیلی یا اس سے کسی انحراف کے کوئی آثار – کم از کم فی الحال – دور دور موجود نہیں ہیں۔ اس طویل خطبہ کے صرف ایک دو اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

> "میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ بیت المقدس کے محافظین اپنے خون سے اسکی حفاظت کرتے رہیں گے، ہم کسی بھی قیمت پر القدس شہر اور مسجد اقصیٰ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں، خواہ ہم میں سے ایک ایک فرد اس راستے میں قربان ہو

جائے۔ ہم ہرگز ہرگز القدس اور مسجد اقصیٰ سے اور فلسطین کی مبارک سرزمین سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ کیوں کہ فلسطین کا مسئلہ مٹی اور زمین کے ایک ٹکڑے کا نہیں ہے! یہ مسئلہ سیدھے عقیدے اور دین کا ہے، یہ سرزمین اللہ کی نشانی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اِسراء ہے، البتہ؛ معزز حضرات ! سرحد کے رکھوالوں کو تائید و تعاون کی ضرورت ہے، مسجدِ اقصیٰ کی آزادی کی جدو جہد کو پوری امت کی بھرپور توانائیوں کی ضرورت ہے، کیوں کہ ہم باذنِ اللہ قدس و اقصیٰ کی آزادی کے دروازے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، یہ عربی انقلابات جنہوں نے ظالم و جابر حکمرانوں کا تختہ پلٹ کر دیا ہے، یہ دراصل القدس اور اقصیٰ کی بازآوری کی تمہید ہی تو ہیں جس میں اِس امت کو اپنا ایک نیا کردار ادا کرنا ہے۔ ہم نے (قطر کی طرح) بعض دیگر عربی ممالک کا حال ہی میں دورہ کیا، ہم نے تیونس کے لوگوں کو یہ نعرہ لگاتے ہوئے سُنا کہ ''عوام فلسطین کی آزادی چاہتے ہیں''۔ اسی طرح میں نے ''مصری قوم'' کو میدانِ آزادی میں ہزاروں کی تعداد میں فلسطینی جھنڈے اُٹھائے ہوئے دیکھا، یہ لوگ القدس اور مسجد اقصیٰ کے تئیں اپنے والہانہ جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔

معزز حضرات اور پیارے بھائیو! قدس کے تم ذمہ دار ہو، تمہاری یہ امانت تمہارے ہاتھوں میں ہے، پس ہمیں امت کے وسائل اور توانائیاں اکٹھا کرنا چاہیئے، اور بحکمِ خداوندی مبارک مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کے لئے ایک فیصلہ کُن معرکہ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔''

وزیر اعظم اسماعیل ھنیہ نے اپنے خطبۂ جمعہ کے آخر میں ایک بار پھر یہ عہد دوہرایا کہ:

''ہم اس مسجد میں، آپ سب کے سامنے، اللہ سے اور پھر آپ سے اور اپنی پوری قوم سے عہد کرتے ہیں کہ ہم فلسطین کے حق کی ادائیگی میں ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کریں گے، اور ہم فلسطین اور القدس سے ہرگز دست بردار نہیں ہوں گے، اور نہ ہم مقابلے اور مزاحمت کا راستہ ترک کریں گے۔ ہم میدان میں ڈٹے رہیں گے، یہاں تک کہ انشاء اللہ ہماری آپ کی ملاقات مسجد اقصیٰ میں ہوگی۔''

(نگاہِ اوّلیں کا بقیہ صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

محفل (۱۱۳)　　سورۃ النساء (۱۸)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

مذہبِ شرک کا اصل معبود شیطان ہے

انسان کو دنیوی چاہتوں میں ڈالتا اور آخرت سے بیگانہ کرتا ہے

آخرت سے بیگانگی کے ساتھ توحید کے مدعی بھی عذاب سے نہ بچ سکیں گے

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ---- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط
وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ
اِنٰثًا ج وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَہُ اللّٰہُ م وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ
مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّھُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّھُمْ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ
فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ ط وَمَنْ یَّتَّخِذِ
الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُھُمْ
وَیُمَنِّیْھِمْ ط وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ
جَھَنَّمُ ز وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْھَا مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط وَعْدَ
اللّٰہِ حَقًّا ط وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ
اَھْلِ الْکِتٰبِ ط مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ لا وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا
وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ
اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ط وَاتَّخَذَ اللّٰہُ

اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ

اللہ نہیں اس بات کو بخشے گا کہ شریک اس کا کسی کو ٹھیرایا جائے، اور اس کے سوا جس کسی کے لئے چاہے گا بخشش دے گا۔ اور جو کوئی شریک اللہ کا ٹھیرائے وہ بڑی دور گمراہی میں جا پڑا (۱۱۶) یہ (مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں تو زنانیوں کو۔ اور (حقیقت میں) یہ پکارتے ہیں شیطانِ سرکش کو (۱۱۷) لعنت ہوئی جس پر اللہ کی، اور جس نے کہا میں تیرے بندوں میں سے ایک متعیّن حصہ لے کر رہوں گا (۱۱۸) میں گمراہ انھیں کر کے چھوڑوں گا، تمنّاؤں میں انھیں الجھاؤں گا، میں جو انھیں سجھاؤں گا تو چوپایوں کے کان وہ چیریں گے۔ اور میں انھیں سجھاؤں گا تو اللہ کی دی بناوٹ میں تبدیلیاں کریں گے۔ سو جو کوئی شیطان کو دوست بناتا ہے بڑا کھلا خسارہ مول لیتا ہے (۱۱۹) وہ اس سے وعدے کرتا اور تمنّاؤں میں پھنساتا ہے۔ اور شیطان ان سے نہیں وعدے کرتا مگر بس فریب دینے کو (۱۲۰) ایسوں کا ٹھکانہ بس جہنم ہے اور کوئی راہ اس سے بچاؤ کی وہ نہ پائیں گے (۱۲۱) اور وہ کہ جو ایمان لائے اور نیک عمل انھوں نے کئے انھیں ہم داخل کریں گے ایسے باغوں میں کہ نہریں بہتی ان کے تلے ہوں گی۔ ہمیشہ وہ ان میں رہیں گے۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ اور کون ہے بات کا اللہ سے زیادہ سچا (۱۲۲)

اور (سن لو کہ) نہ تمہاری تمنّاؤں سے کچھ ہونا ہے نہ اہلِ کتاب کی تمنّاؤں سے۔ جو کوئی برے عمل کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور کوئی دوست نہ کوئی مددگار اللہ کو چھوڑ کر وہ پائے گا۔ (۱۲۳) اور جو کوئی مرد و عورت نیک عمل کرے گا اور صاحبِ ایمان ہوگا تو یہی ہوں گے کہ داخل ہوں جنت میں اور ذرہ بھر حق تلفی ان کی نہ ہوگی (۱۲۴)

اور کون ہے جو دین کی رو سے بہتر اس آدمی سے ہو جس نے اپنے آپ کو اللہ

کے حوالہ کیا اور نیک عمل ہوا اور پیروی اس نے کی ابراہیمِ راست رَو کی۔ اور اللہ نے
دوست اپنا ابرہیم کو بنایا (۱۲۵) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور
اللہ احاطہ کئے ہوئے ہر شئی کا ہے (۱۲۶)

ربطِ کلام

ان آیتوں سے اوپر گزری آیت میں فرمایا گیا تھا: وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى ۔۔۔۔ (یعنی جو کوئی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہدایت کے بعد اس سے مخالف راہ چلے گا ۔۔۔۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس وعیدِ جہنم والی راہ کا ایک ہی مطلب ہوتا تھا۔ کفر وشرک کی راہ۔ اور یہی راہ تھی جس کی طرف "وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ" کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا تھا۔ آج کی یہ آیتیں اسی مضمَر اور مجمل بات کو مفصل اور عیاں کر رہی ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے شرک کے سوا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کی معافی کی امید نہ کی جا سکتی ہو۔ لیکن شرک وہ راہِ عمل ہے جس کے بعد گمراہی اپنی ساری حدوں سے گزر جاتی ہے۔ اسی کو فرمایا: فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا۔ اور کیسے نہ فرمایا جاتا، کہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے کسے ہیں؟ انھیں جن کو یہ خود اِناث (زنانیاں) سمجھتے ہیں (اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا ۚ) اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان زنانیوں کے پردہ میں یہ شیطان ہے جسے یہ فی الواقع پکارتے ہیں۔

اپنی دیویوں کے بارے میں مشرکوں کا عقیدہ

اِناث اُنثی کی جمع جو مقابل ہے ذکَر کا۔ ان ہی کو اردو میں ہم مؤنث، مذکر بولتے ہیں۔ یہاں اس لفظ سے مراد ہیں مشرکین کی دیویاں جنھیں وہ خدائے بزرگ سے ورے کارساز وحاجت روا سمجھتے اور پوجتے تھے۔ مؤنث کی صنف کسی بھی جنس میں ہو مقابلۃً کمزور سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین کی گمراہی کو حد سے گزری بے عقلی بتانے کے طور پر فرمایا گیا کہ خدائے ذوالجلال کو چھوڑ کر کارسازی وحاجت روائی کے لئے ہاتھ کس کے آگے پھیلاتے ہیں، زنانیوں کے آگے۔ اور ان کی یہ مزعومہ دیویاں تھیں کیا؟ فقط شیطان کا ایک جھانسہ۔ پس فرمایا: وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡـطٰنًا مَّرِيۡدًا ۱۱۷ (یہ دراصل شیطان ہی کو پوجتے ہیں) کس شیطان کو؟ وہ کہ جو اللہ کے حضور سرکش بنا اور لعنتی ٹھیرا۔ اور جس نے اللہ کو چیلنج دیا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنے مقدر کا مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔

یہ اس موقع کی طرف اشارہ ہے جب اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کر کے فرشتوں کو سجدہ کا حکم

دیا تھا اور شیطان ابلیس نے روگردانی کی تھی۔ اُس موقع کی اِس کی جو بات یہاں نقل فرمائی گئی ہے اس کا ذکر سورہ الحجر ۱۵: ۹-۱۳۹۔ الاسراء ۱۷: ۶۱ میں آتا ہے۔ اور یہ اِناث (زنانیاں) جنھیں پوجنے اور معبود بنا لینے کی بات فرمائی گئی ہے یہ ان لوگوں کے عقیدہ میں فرشتے (ملائکہ) تھے، جن کے بارے میں شیطان نے ان کے کان میں پھونکا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کا تقرُّب حاصل کرو تو من کی مرادیں پاؤگے۔ چنانچہ اس اِغوائے شیطانی کے ماتحت انھوں نے ان کو زنانہ نام دے ڈالے۔ سورہ النجم (۵۳) میں اس موضوع کی کافی تفصیل آتی ہے۔ اسی میں فرمایا گیا ہے: اِنَّ الَّذِینَ لَا یُؤمِنُونَ بِالاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّونَ المَلٰٓئِکَۃَ تَسمِیَۃَ الاُنثٰی۔

اس اغوائے شیطانی کا اصل مقصد

دیویوں کے پردے میں رہ کر شیطان اُن سے کیا کرانا چاہتا ہے؟ وہی جو اپنے مردود کئے جانے کے موقع پر اس نے بنی آدم کے بارے میں پروردگار سے کہا تھا کہ مجھے تا قیامت مہلت دی جائے تو میں انھیں اپنی طرح راندۂ بارگاہ بنانے میں کوئی کسر اُٹھا کے نہ چھوڑوں گا، پھر جتنے بھی میرے حصہ میں آسکیں۔ اور اس سلسلہ میں اس نے اپنا خاص حربہ یہی بتایا تھا جسے یہاں اُمَنِّیَنَّھُم کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ تمنائیں اور خوشنما خیالات ہی ہوتے ہیں جن کے پھندے میں آکر آدمی من مانی کرتا ہے اور اللہ و رسول کی بھی نہیں سنتا، یا سنی اَن سُنی کر دیتا ہے۔ اس خیال و خواہش پرستی کی کمزوری سے مختلف افراد اور قوموں اور مختلف زمانوں میں گمراہیوں کی مختلف شکلیں رونما ہوتی آئی ہیں۔ یہاں بظاہر ان خاص شکلوں کا حوالہ ہے جو وقت اور ماحول کے مشرکین پر بھی منطبق ہوتی تھیں، جیسے مویشیوں کے کان چیرنا اور پیدائشی و قدرتی بناوٹوں میں تبدیلیاں کرنا۔

مشرکین طرح طرح کی خوشنما و دلفریب امیدیں اپنے دیوی دیوتاؤں سے اغوائے شیطانی کے ماتحت باندھ لیتے ہیں اور پھر شیطان ہی کے سجھانے سے اُن کی موہومہ خوشنودی کے لئے اپنے مویشیوں پر کان چیرنے وغیرہ کے عمل سے ایک پہچان بناتے اور کچھ خاص حقوق کے ساتھ ان جانوروں کو دیوی دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح کی رسوم کی مختلف شکلیں عرب میں رائج تھیں جن کا حوالہ آگے کی سورہ (المائدہ) میں بحیرہ، صائبہ اور حام وغیرہ کے عنوانوں سے آتا ہے۔ دوسری چیز ''تغییرِ خلقِ اللہ'' (قدرتی بناوٹوں میں تغیرات کرنا) اس کی تشریح میں متعدد باتیں آتی ہیں۔ اور یہ واقعۃً بہت وسیع

مفہوم رکھنے والی تعبیر ہے، کہ فطری ساخت اور بناوٹ صوری اور جسمانی کے علاوہ معنوی اور باطنی بھی ہو سکتی ہے۔ پس خاص مشرکین میں جسم گُدوانے (اور اس طرح اس کی قدرتی ہیئت بدل دینے) کی جو وہم پرستانہ رسمیں دیکھنے میں آتی ہیں وہ بھی اس کا مصداق ہیں۔ اور انسان کی معنوی ساخت جو خود قرآن میں دینِ توحید پر استوار بتائی گئی ہے: (فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ) اس سے انحراف بھی اس میں داخل ہوگا۔ اور حدیث میں جو زنانہ شباہتیں واطوار اختیار کرنے والے مرد اور مردانہ رنگ ڈھنگ اختیار کرنے والی عورتوں کو جو ملعون ٹھیرنا بتایا گیا ہے وہ بھی اسی میں آتا ہے۔ اور ہم جو اپنے زمانہ میں دنیا کا رُخ ہی یکسر خلافِ فطرت اعمال واطوار کی طرف جاتا ہوا دیکھ رہے ہیں وہ سب شیطانی فتوحات ہی کی نمود تو ہے۔

خسارہ کا سودا اور نفع کا سودا

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو کارساز ٹھیراتا ہے وہ کھلے نقصان کا سودا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ انھیں جو وعدے دیتا اور امیدیں دلاتا ہے وہ سب فریب کاری ہے۔ پس جو لوگ اسے کارساز ٹھیرا کر کامیابی کی امیدیں باندھیں ان کا انجام امیدوں کے برعکس جہنم کے ٹھکانے کی شکل میں سامنے آنا ہے۔ اور ان کے برخلاف وہ لوگ کہ جو اللہ کے رسولوں کی پکار سنتے اور اللہ پر ایمان کی راہ اور اس راہ کے عمل اختیار کرتے ہیں ان کو اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے اور یہ وعدۂ حق ہے، کہ اللہ کا وعدہ ہے۔

قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی شہادت دیتی آیت

مزید ارشاد ہوا: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ
یہ قرآن کی ان آیتوں میں ہے جو اپنے سادہ ترجمہ ہی سے بول رہی ہیں کہ یہ انسانی دنیا سے بالاتر کسی ایسی ہستی کی اتاری ہوئی کتاب ہے جو ہر فرد، ہر قوم اور ہر جماعت کو ایک آنکھ سے دیکھتی اور سب کے ساتھ معاملہ کا ایک ہی اصول اور قانون رکھتی ہے۔ اوپر مشرکین کو دی گئی وعید کے مقابلہ میں جنت کا جو مژدہ اہلِ ایمان کو سنایا گیا تھا یہاں اس کے بارے میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ جس طرح شیطان کے دکھائے ہوئے خوابوں میں پھنس کر مشرک لوگ اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں اہلِ ایمان بھی اگر صرف نام ''اہلِ ایمان'' میں لکھا لینے کو جنت کی ضمانت سمجھنے لگیں تو دھوکہ کھائیں گے، اور یہ بات چونکہ اپنے آپ کو اہلِ ایمان گردانتے والے اہلِ کتاب میں خوب خوب پائی جاتی تھی، جس پر انھیں تنبیہ بھی سابق میں گزر چکی ہے، پس وہ بھی اہلِ ایمان کو

یاد دلانے کے لئے یہاں دھرادی گئی ہے، تاکہ دھیان رہے کہ بات اصول کی ہے، گروہوں اور قوموں میں تفریق کی نہیں۔

فرمایا: مشرکین ہی نہیں، مسلمان ہوں، اہلِ کتاب ہوں، جو بھی بے عملی اور بدعملی کے ساتھ خالی ان نسبتوں اور حوالوں سے بے حساب کتاب جنت کے خواب دیکھے گا، پچھتائے گا۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ **مَنۡ یَعۡمَلۡ سُوۡٓءً یُجۡزَ بِہٖ**۔۔۔۔ جو بھی بدعملی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔اور کوئی کارساز و مددگار اللہ کے آگے نہ پائے گا۔) آیت کا آخری جملہ (اور کوئی کارساز۔۔۔) ان ''امانی'' کی شرح کررہا ہے جن کی نفی آیت کا مدعا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جیسے مشرکین اللہ سے بے نیاز ہوکر (حالانکہ اللہ کو مانتے تھے) مزعومہ فرشتوں کی کارسازی پر تکیہ کرتے تھے کہ انہی کے ہاتھ ہماری دنیا کا بناؤ بگاڑ ہے، ایسے ہی کوئی مسلمان یا اہلِ کتاب اللہ سے عملاً بے نیاز انبیاء واولیاء کی سعیٔ وسفارش کے خیال پر جئے تو یہ بھروسہ آخرت میں بے سود ثابت ہوگا۔اس لئے کہ وہاں اللہ کی ناخوشی کے سامنے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔

دینداری نام ہے اللہ کے آگے سوفی صد جھک جانے کا

مشرکین دعوے دار تھے حضرت ابراہیم کی پیروی کے، پر حضرت ابراہیم کی پیروی کا جو سچا نمونہ نبی ﷺ کی دعوت اور عمل کی شکل میں اُن کے سامنے آیا ہوا تھا اسے ماننے پر تیار نہ تھے۔ وہ نمونہ کیا تھا؟ فرمایا جارہا ہے کہ ہمارے رسول کا طریقہ اور اس کے ماننے والوں کا طریقہ کہ وہ بس اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کرتے ہیں وہ بعینہٖ وہ ہے جو ابراہیم کا طریقہ تھا، اور جس کی بنا پر ہم نے اسے اپنی دوستی کا اعزاز بخشا تھا۔ پس دین کے معاملہ میں کون اس سے بہتر ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے جو ابراہیم کے دینی طریقہ پر ہو؟ آگے اس دینی طریقہ ہی کے صحیح ہونے کی دلیل میں یاد دلایا گیا ہے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب بلاشرکتِ غیرے اللہ ہی کا تو ہے اور اس سب کو وہ اپنے علم اور قدرت سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ وہ بات تھی جو مشرکین بھی مانتے تھے۔ پس یہ دلیل اپنے اندر دعوت بھی لئے ہوئے ہے کہ جس کے احاطۂ قدرت میں تم اور اردگرد کی ساری کائنات ہے، وہی تو حقدار ہے کہ اپنی حاجتوں کے لئے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا جائے، اور کسی بھی دوسرے کے لئے یہ حق نہ مانا جائے۔ **صَدَقَ اللہُ العظِیم!**

☆☆☆

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد ''تجدید''

(پہلی قسط)

مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گذرے اوراس نے الف ثانی (ہزارۂ دوم) میں قدم رکھا اس وقت خاص کر ہندوستان میں عرب کے اِس مسافر پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی ——— ایک طرف سلطنت کا الحاد اوراس کی ہندونوازی بلکہ ہندویت پرستی اس کو پامال کررہی تھی، دوسری طرف علماء سوء کی دسیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں، اور تیسری طرف ''متصوفہ باطنیہ'' کی ہویٰ پرستیاں اس کی روح کو مسخ کررہی تھیں اور لاوارث اسلام بری طرح اس ''تثلیث'' سے مغلوب کیا جارہا تھا، اس کا ضعف واضمحلال، اس کی غربت وکس مپرسی انتہاء کو پہنچ رہی تھی۔

خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کو قدرت نے ان فتنوں کے مقابلے اور استیصال ہی کے لئے کھڑا کیا تھا) جو کچھ اپنے تاثرات اُس عہد کے متعلق لکھے ہیں انھی سے ایک صاحب بصیرت حقیقت حال کا پورا پورا اندازہ کرسکتا ہے ——— چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''اسلام کی کس مپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار براہ راست اسلام پر عتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، اور بے دھڑک کوچہ وبازار میں مراسمِ کفرادا کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں اوراس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اوراس پر اعتراض ہوتا ہے ——— پری منہ چھپائے ہوئے ہے اور دیو دندناتا پھرتا ہے۔ عقل حیران ہے یہ کیا بوالعجبی ہے؟؟؟

خدا کی شان! مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے اور دین کی رونق سلاطین سے وابستہ ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے کتنی حسرت وندامت اور کیسے افسوس کا مقام

ہے''۔ (مکتوب ۶۵، دفتر اول ص ۸۲)

ایک دوسرے مکتوب میں اسی ''انقلاب'' پر اس طرح نوحہ کرتے ہیں:

''پچھلے دنوں کفار برملا سینہ زوری سے احکام کفر اس دارالاسلام میں ادا کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی علانیہ ادائیگی سے عاجز تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تھے تو قتل کئے جاتے تھے، ہائے افسوس! اور ہائے ہماری بربادی! پروردگار عالم کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ذلیل وخوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی، مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مزاق اور تمسخر سے ان کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا، اور نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا''۔ (مکتوب ۴۶، ج ۱، ص ۶۵)

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے کفار بلا دھڑک مسجدوں کو گرا کر ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں.... اور وہ برملا مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور غریب مسلمان اکثر احکام اسلام کے ادا کرنے سے عاجز ہیں، ہندوؤں کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے۔ اور اس کے برعکس ماہ رمضان مبارک میں وہ برملا روٹی کھانا بیچتے ہیں اور اسلام کی کس مپرسی کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں روک سکتا افسوس صد ہزار افسوس''

(مکتوب ۹۲ دفتر دوم ص ۱۶۲)

حکومت کی بے راہ روی اور ہندونوازی کی وجہ سے اسلام اور فرزندان اسلام پر اس وقت جو کچھ گذر رہی تھی، اور ہندوستان کی زمین باوجود اس کی وسعت کے ان کے حق میں جس قدر تنگ کردی گئی تھی اس کا اندازہ حضرت مجددؒ کے ان ہی اجمالی بیانات سے ہوسکتا ہے —— یہ تو بیرونی بلا تھی جو بدقسمتی سے حکومت اور آہ کہ ''اپنی حکومت'' کے ہاتھوں سے مسلط ہورہی تھی —— اس کے علاوہ اندرونی رخنوں نے کیا حال کر رکھا تھا؟ اس کو بھی خود حضرت مجددؒ ہی کی زبانِ حق ترجمان سے سنئے:

الف ثانی اور ظلمت وبدعات کا استیلاء

''ہزار سال کے بعد کفر وبدعات کی تاریکیاں مسلط ہوگئی ہیں اور اسلام وسنت کا نور گھٹ رہا ہے۔'' (مکتوب ۹۶، دفتر سوم ص ۱۷۴)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں اور کس قدر دلسوزی سے فرماتے ہیں:

''ساری دنیا دریائے بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعات کی تاریکیوں نے سارے عالم کو آغوش میں لے لیا ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعات کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں زبان کھولے، اس وقت کے اکثر مولوی بدعتوں کے رواج دینے والے اور سنتوں کے مٹانے والے ہیں۔ (مکتوب ۵۴، دفتر دوم ص ۱۰۳)

یہ تھے وہ حالات جن کے درمیان حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا گیا اور جن کی اصلاح وتبدیل کا عظیم الشان کام ان کے سپرد کیا گیا۔ اس کی طرف خود حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے مکاتیب میں متعدد جگہ اشارے فرمائے ہیں، ایک موقع ملاحظہ فرمائیں۔

اپنے صاحبزادے، اسرار ومعارف مجددیہ کے امین حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لکھنے کے بعد کہ ——— ''میں مقام محبوبیت اور مقام خلّت کو باہم دگر جوڑ دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں'' ——— ارقام فرماتے ہیں:

''فرزند من! باوجود اس معاملہ کے جو میری آفرینش سے وابستہ ہے ایک اور بہت بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے، مجھے پیری مریدی کے لئے اس دنیا میں نہیں لایا گیا ہے، اور نہ میرے وجود سے کچھ زیادہ تربیت مقصود ہے، معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرت کو مجھ سے کچھ اور ہی کام لینا ہے، ہاں اس ضمن میں جس کو مناسبت ہو وہ یہ فیض بھی حاصل کرلے، جو کام قدرت کو مجھ سے لینا ہے اس کے مقابلہ میں یہ اصلاح وارشاد کا کام ہیچ ہے۔''

یہ ''کارخانۂ عظیم'' اور ''معاملۂ دیگر'' کہ جس کے سامنے تکمیل وارشاد کی بھی کوئی حقیقت نہیں، بجز ''احیاء ملت'' اور ''اقامت دین'' کے اور کیا ہوسکتا ہے، فی الحقیقت آپ کا اصل کام یہی تھا کہ اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں، اور حق کو جو باطل کے پردوں میں مستور ہوگیا تھا اس کو اصلی صورت اور اس کی اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں، کلمۂ الٰہی پھر غالب ہو، اور کفر وبدعات کے غلیظ بادل بھی اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہزارہا ہزار رحمتیں نازل ہوں آپ کی روح پاک پر کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی اس وقت کوئی امید نہ کی جاسکتی تھی۔

اس مضمون میں آج ہم کو صرف یہ بتلانا ہے کہ اس مجدد دین وملت نے کس طرح ان حد سے زیادہ

بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا، اور بلا کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے کن تدبیرات سے پورے ملک کی فضا کو بدل کے رکھ دیا اور حتی کہ خود حکومت میں بھی آپ سے آپ وہ انقلاب ہو گیا جو بظاہر صرف انقلابی ذرائع سے ہی ہو سکتا ہے بلکہ بسا اوقات زبردست ''انقلابی تحریکوں'' سے بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوتا۔

حضرت مجددؒ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آرہے ہیں۔

ایک ''ارباب حکومت'' جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور ''سیاسی مفاد'' کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے ''اسلامیت'' سے بےگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندوئیت سے آشنا بنا دیا ہے۔

دوسرے وہ علماء سوء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، ارباب اقتدار اور امرائے وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا، اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا، اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

تیسرے وہ گمراہ اور برخود غلط صوفی لوگ جو شریعت کو ''ظاہر پرستوں'' کا کھلونا سمجھتے ہیں، اور ''طریقت و حقیقت'' کے مقدس ناموں سے انھوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی اور جس میں ''عارف''، ''کامل'' بننے کے باوجود ہر گناہ اور لذت نفس کے ہر طریقہ کے لئے پوری گنجائش ہے —— یہ تھے فتنوں کے تین چشمے جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا۔

حضرت مجدد (قدس سرہ) نے بس ان ہی کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لئے اپنی پوری حکمت اور قوت صرف فرمادی۔

افسوس ہے کہ حضرت مجددؒ کی اس جدوجہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ بھی موجود نہیں جس سے اس سلسلہ کے پورے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے —— خود حضرت ہی کے مکتوبات سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے بہت سے ارکان سلطنت اور عمائد حکومت سے خاص ربط پیدا کیا، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں ان کو اپنا گرویدہ بلکہ غلام بنا لیا، لیکن یہ کیوں کر ہوا؟ اور ایک فقیر بےنوا نے کس طرح اس میں کامیابی حاصل کی اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں۔

بہر کیف جو صورت بھی اختیار کی گئی ہو، حضرت مجددؒ کے لئے حق تعالیٰ نے یہ راستہ پیدا کر دیا اور

آپ کی عظمت وجلالت، اور مودت ومحبت کچھ ایسے قلوب میں ڈال دی جن کے ہاتھوں میں سلطنت کا کاروبار تھا اور جن کو حکومت میں کافی رسوخ حاصل تھا —— آپ نے ایک طرف تو خود ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کر کے اسلامی زندگی کا اصلی نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعہ حکومتی مشنری کے رخ کو صحیح کیا۔ یہ ارکان سلطنت جن کے ذریعہ سے حضرتؒ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے ان میں سے بعض دارالسلطنت آگرہ ہی میں اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں تھے، حضرت مجدد صاحب ہر ایک کو برابر ہدایت دیتے تھے، حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت جب کہ رسل ورسائل کے ذرائع بہت ہی محدود تھے، جب کہ تار برقی کا یہ جال اور ریلوں کا موجودہ نظام پھیلا ہوا نہ تھا اس وقت یہ ''فقیر'' کس طرح سرہند کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر یہ سب کچھ کر رہا تھا۔

آپ کی اس ٹھوس اور خاموش انقلابی تحریک کا دھندلا سا نقشہ جن مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند کے اقتباسات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

اسلام کی غربت اور کس مپرسی اور حکومت وقت کی اس کے ساتھ بے مہری کا ذکر کرنے کے بعد حکومت وقت کے خاص رکن خان اعظم کو لکھتے ہیں:

> ''اس نازک وقت میں جب کہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم بازی ہار چکے ہیں آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں، اور سوائے آپ کے کوئی ''مرد میدان'' اس میدان میں ہم کو نظر نہیں آتا، حق تعالیٰ بطفیل اپنے نبی اور ان کے اہل کے (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) آپ کا ناصر ومددگار ہو، ''حدیث پاک میں تو وارد ہوا ہے کہ ''تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے'' اس وقت وہ ''دیوانگی'' جس کی بنیاد اسلام میں غیرت اور حمیت ہوتی ہے آپ ہی کی فطرت میں نظر آتی ہے والحمد للہ علی ذلک، آج وہ وقت ہے کہ تھوڑے عمل کو بڑے ثواب کے بدلے میں بڑی مہربانی سے قبول فرماتے ہیں۔۔۔۔ یہ جہاد قولی جو آج تم کو میسر ہے جہاد اکبر ہے اس کو غنیمت جانو اور مزید کے طالب رہو یہ جہاد باللسان جہاد بالسیف سے افضل ہے ہم جیسے بے دست وپا فقراء (جن کی دربار شاہی تک رسائی نہیں) اس نعمت سے محروم ہیں۔'' ہم نے تم کو خزانے کا پتہ دے دیا ہے اگر ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا ہے تو شاید تم ہی اس کو پالو''۔　　(مکتوب ۶۵، دفتر اول ص ۸۲)

نیز اسلام کی کمزوری، مسلمانوں کی ذلت وخواری اور بے اعتباری، اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے بعد لالا بیگ کو خدمت دین اور اعلاء حق کی طرف ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر اس وقت کہ حکومت کا آغاز ہے اسلامیت نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اپنا وقار قائم کرلیا تو فبہا ورنہ اگر معاذ اللہ کچھ توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر معاملہ بہت مشکل ہو جائے گا، الغیاث! الغیاث! ثم الغیاث!! دیکھئے یہ سعادت کس خوش نصیب کے ہاتھ آتی ہے اور کون شاہباز اس نعمت کو اچکتا ہے یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ جس کو چاہے بخشے، اللہ تعالی ہم کو اور تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔ (مکتوب ۸۱، ح ا ص ۱۰۶)

صدر جہاں کو کچھ دعائیں دینے اور عہد اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اب جب کہ سلطنتوں میں انقلاب رونما ہو گیا ہے اور اہل مذہب کے عناد کی صورت بگڑ چکی ہے عظمائے اسلام، وزراء اور علمائے کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ احکام شرعیہ کی ترویج پر لگادیں اور اولین فرصت میں اسلام کے ان ارکان کو قائم کریں جو عہد ماضی میں منہدم کردئے گئے تھے، ہم غریبوں کو اس بارے میں تاخیر و توقف سے سخت بے چینی ہے، جب کہ بادشاہان اسلام ہی میں سنن نبویہ کی ترویج کا جذبہ نہ ہو، اور ان کے مقربین بھی اس بارے میں کچھ نہ کریں تو فقراء اہل اسلام کے لئے کام بڑا تنگ و تاریک ہو جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون''

''کیا بتائیں کہ اس دینی بربادی کی وجہ سے ہمارا کیا حال ہے؟ آہ جو دولت ہم سے چھنی ہے اگر وہ جناب سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے گئی ہوتی تو وہ خود، اور ان کے ساتھ دیو پری سب خون کے آنسو روتے''۔ (مکتوب ۱۹۵، دفتر اول ص ۱۹۵)

خان جہاں جو سلطان وقت کے مقربین میں سے تھے اور جہانگیر جن کی بات کو سنتا اور مانتا تھا، ان کی اصلاح کی طرف حضرت مجددؒ کو خاص توجہ تھی، مکتوبات کے تینوں دفتروں میں آپ کے نام بہت سے مکاتیب ہیں، دفتر دوم میں ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں آپ نے دین کے تمام مہمات، تمام ضروری عقائد اور ارکان اسلام کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے جمع فرمادیا ہے، اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک شخص کو دین اسلام اور طریقۂ اہل سنت والجماعت سے واقف کرانے کے لئے یہ مکتوب گرامی کافی ہے —— اس مکتوب میں دین کے متعلق تمام ضروری باتیں لکھنے کے بعد ''حرف مطلب'' کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:

''حق سبحانہ وتعالی نے آپ کو جس دولت عظمٰی سے ممتاز کر رکھا ہے کہ عام آدمی اس سے ناواقف ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود تم کو بھی اس کا احساس نہ ہو یہ ہے کہ جب کہ بادشاہ

وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع اور کیسی نعمت ہے کہ صراحۃً یا اشارۃً جب جیسا موقع سمجھا جائے کلمۂ حق یعنی حضرات اہل سنت والجماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات اس کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی اور منتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی اور دینی گفتگو کا آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر اور اہل کفر کی خرابیاں بیان کی جاسکیں۔''

پھر ہندی بت پرستوں اور رافضیوں کے عقائد باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کی بعد (کہ حکومت کو اُس وقت یہی دو گھن لگے ہوئے تھے) آخر مکتوبات میں پھر اپنے مطلب پر آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''اب میں دوسری بات پر آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ مثل روح کے ہے اور باقی انسان بمنزلۂ جسم کے ہیں اگر روح ٹھیک ہوتی ہے تو جسم بھی صحیح سالم رہتا ہے اور جب روح میں کوئی بھی خرابی آجاتی ہے تو جسم بھی خراب ہوجاتا ہے، پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا دراصل تمام انسانوں کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور یہ اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب موقع ملے اور جب کوئی گنجائش نظر آئے صحیح اسلامی تعلیمات اس کے کان میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے مذاہب باطلہ کا رد کیا جائے اگر یہ دولت آپ نے حاصل کی تو سمجھئے کہ آپ کو انبیاءؑ کی وراثت مل گئی، بڑی سعادت ہے کہ آپ کو یہ دولت مفت مل رہی ہے اس کی قدر جاننی چاہئے۔'' (مکتوب ۶۷، دفتر دوم ص ۱۳۵)

ان ہی خان جہاں کو ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''یہی خدمت اور یہی منصب جس پر آپ ہیں اگر اس سے شریعت مصطفوی کی تائید و ترویج کا پورا کام لیں اور اس کے لئے اپنی امکانی قوت اور پورے اختیارات صرف کریں تو گویا انبیاءؑ کا کام کریں گے اور دین مقدس کو منور اور آباد کردیں گے، ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی ختم کردیں گے جب بھی اس کام میں آپ جیسے شہبازوں کی گرد نہیں پاسکتے، بس توفیق و سعادت کی گیند سامنے ڈال دی گئی ہے لیکن کوئی خوش بخت میدان میں نہیں اترتا نہ معلوم سواروں کو کیا ہوگیا۔ اے اللہ اپنی مرضیات کی توفیق دے''۔ (مکتوب ۵۴، دفتر سوم ص ۹۲)

بارگاہ سلطانی کے ممتاز مقربین میں ایک شیخ فرید بھی تھے، ان کے نام بھی حضرت کے بہت سے مکاتیب ہیں ایک مکتوب میں دعائیں دینے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے کہ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح، اور اگر دل میں خرابی آئی تو بدن بھی خراب ہوگا، بہر حال بادشاہ کے صلاح وفساد سے دنیا کا صلاح وفساد وابستہ ہے۔۔۔آج کہ دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوش خبری عام وخاص کو پہنچی، اہل اسلام نے بادشاہ کی امداد واعانت اور ترویج شریعت اور تقویۂ ملت کے بارے میں اس کی رہنمائی اور اس راہ میں ہر قسم کا تعاون لازم وضروری جانا اور اولین امداد یہی ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتاب وسنت واجماع امت کے مطابق عقائد اسلامیہ سے ان کو باخبر کیا جائے تاکہ کوئی مبتدی اور کوئی گمراہ غلط راہ پر لے جا کر کام خراب نہ کر دے۔۔۔جناب والا سے توقع ہے کہ جب خدا نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور پھر کلمۂ حق کہنے کی استطاعت اور قدرت دی ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعت کی ترویج کے لئے ضرور کوشش فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس کس مپرسی کے عالم سے ضرور نکالیں گے''۔ (مکتوب ۴۷، دفتر اول ص ٦٦)

پھر اس سے اگلے مکتوب میں بھی جو ان ہی شیخ فرید کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:

''ان اکابر (انبیاء ورسل) کی بعثت سے غرض شریعت کی تبلیغ ہوتی ہے، بس سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ شریعت کی ترویج اور احکام الٰہیہ کے اجراء کے لئے کوشش کی جائے بالخصوص اس زمانے میں کہ اسلامی شعائر منہدم ہو گئے ہیں، اللہ کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کرنا اس کے برابر نہیں ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کو رواج دے دیا جائے کیونکہ اس کام میں حضرات انبیاءؑ کی اقتداء اور ایک گونہ ان کے ساتھ مشارکت ہے۔''

(مکتوب ۴۸، دفتر اول ص ٦٧)

پھر اس سے بعد والے مکتوب میں کہ وہ بھی ان ہی شیخ فرید کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:

''حق سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ بزرگان اہل بیت نبوی کی اولاد ہی کے ذریعہ سے شریعت کے ارکان اور ملت کے احکام رواج پذیر ہوں'' ''بس یہی اصل کام ہے اس کے سوا سب ہیچ ہے'' گمراہی کے اس طوفان میں غربائے اہل سنت کو نجات کی امید آج بھی اہل بیت نبوی ہی کی کشتی سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''میرے اہل بیت کی مثال کشتئ نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو الگ رہا وہ ہلاک ہوا۔

بس اپنی بلند ہمت کو بتمام وکمال اسی پر لگا دیں کہ (احیاء ملت اور ترویج شریعت) کی یہ سعادت حاصل ہو خدا کے فضل سے عظمت وجاہ اور شوکت وجلال سبھی میسر ہے باوجود اس شرف کے اگر یہ دولت بھی میسر آ گئی تو پھر تو سعادت کے میدان میں سبھی سے بازی لے گئے ، یہ حقیر تائید ملت اور ترویج شریعت کے متعلق اسی قسم کی باتیں پیش خدمت کرنے کے لئے حاضری کا قصد کر رہا ہے۔''

نیز انھی شیخ فرید کو ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میرے سیادت پناہ! آج اسلام بڑی کس مپرسی کی حالت میں ہے اس وقت اگر ایک مزدور اس کی امداد وتقویت کے لئے ڈمڑی کی کوڑی بھی خرچ کرے تو مولا تعالی اس کو کروڑوں میں خریدتے ہیں دیکھیں کس بہادر کو اس دولت (احیائے ملت وترویج شریعت) سے مشرف فرماتے ہیں اور کس سے یہ مہم سر کراتے ہیں ——— یوں تو دین کی تقویت جس وقت بھی جس سے وقوع میں آئے اچھا ہی ہے، لیکن اسلام کی اس کس مپرسی کے زمانے میں آپ جیسے جواں مردان اہل بیت سے زیبا تر اور خوب تر ہے کیونکہ اصل میں آپ ہی کے محترم خاندان کی خانہ زاد ہے اس کا تعلق آپ حضرات سے بالذات ہے اور دوسروں سے بالعرض اور بالواسطہ ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی اور حقیقی وراثت اسی کام کے کرنے میں ہے ؎

پڑا میدان میں ہے گیند توفیق وسعادت کا
ہوا کیا ہے سواروں کو کوئی آگے نہیں بڑھتا

کفر کی جو باتیں پچھلے دور میں پیدا ہو گئی تھیں اب اس وقت جب کہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی ہے ،ان کا کچھ بھی باقی رہنا مسلمانوں کے دلوں پر سخت گراں ہے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کو مٹانے کی پوری کوشش کریں، جو کچھ ان میں سے باقی رہ گئی ہیں ان کا بقاء شاید اسی وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو ان کی خرابی کا علم نہ ہو ——— بہرحال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے جب تک کہ یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء اسلام پر اس کا بار رہے گا اگر اس سلسلہ میں کسی جماعت پر عتاب ہو جائے اور کوئی

تکلیف پہنچے تو بڑی سعادت ہے انبیاءؑ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ میں کیا کیا تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیا کیا مشقتیں برداشت نہیں کیں۔ سارے نبیوں کے سردار آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: کسی پیغمبر کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جس قدر کہ مجھے دی گئی ہیں ؎

عمر گذری پر نہ قصہ درد کا پورا ہوا
رات آخر ہوگئی اب چھوڑتا ہوں ماجرا

(مکتوب ۱۹۳، ح ا ص ۱۹۴)

اس قسم کے مکاتیب جو حضرت نے مقربان سلطانی کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں، دفاتر مکتوبات میں پچاسوں موجود ہیں، پھر ان میں صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ تک کلمہ حق پہنچانے اور اس کو راہ راست پر لانے کی طرف ہی ان کو توجہ اور ترغیب دلائی ہو، بلکہ اکثر مکاتیب میں تو ان مسائل کو بھی خود ہی وضاحت اور تفصیل سے نہایت دلنشین طریقے پر لکھ دیا ہے۔ کفر وشرک اور رسوم کفار کی تردید وتقبیح، اور اسلام اور شعائر اسلام وتعلیمات اسلام کی تائید وتوضیح اس طرح کی ہے کہ ایک صاحب فہم اور منصف مزاج کی اصلاح اور درستیٔ خیالات کے لئے بالکل کافی ہے، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے بادشاہ کے ان ہمنشینوں اور مقربوں پر اچھی طرح قبضہ کرلیا تھا اور گویا ان کو اپنا ریکارڈ بنالیا تھا کہ جو بات اور اصلاح کی جو آواز آپ بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے بس ان میں بھر دیتے تھے اور پھر وہ ان کے ذریعہ بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ اس تدبیر سے آپ نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ چند ہی دنوں میں بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی اور ''غریب'' اسلام کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی اور نوبت بایں جا رسید کہ ایک دن شیخ فرید ہی کو سلطانی حکم ملا کہ:

''دربار کے لئے چار دیندار عالم مہیا کئے جائیں جو مسائل شرعیہ بتلایا کریں تاکہ کوئی کام خلاف شرع واقع نہ ہو۔''

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بے حد مسرت ہوئی لیکن آپ کی مجددانہ فطرت نے اس باریک تر خطرہ کو بھی فوراً ہی محسوس کرلیا جو اس سراپا خیر تجویز میں مضمر تھا، آپ کے حافظہ میں واقعات کی پوری روداد موجود تھی اور یہ حقیقت آپ کے سامنے تھی کہ اکبر کو اسلام سے برگشتہ کرکے ''اکفر'' بعض نفس پرست اور جاہ پسند علماء سوء ہی نے بنایا تھا۔ اور اگر خدانہ کردہ اُسی ٹائپ کے ''مولوی'' پھر دربار میں جمع ہوگئے تو کہیں یہ کی کرائی محنت بھی برباد نہ جائے —— آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا اس میں شیخ موصوف کو دعائیں دینے اور اس خبر فرحت پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرنے کے بعد ارقام فرمایا:

''الحمدللہ، مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کون سی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوشخبری، لیکن چونکہ فقیر اسی غرض کے لئے آپ کی طرف متوجہ ہے اس لئے اس معاملہ میں ضروری باتیں کہنے اور لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا، مجھے معذور سمجھیں، معلوم ہے کہ غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے ——— عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے دین دار علماء جن کو جاہ و مال کی چاہت بالکل نہ ہو اور جن کے سامنے ترویج شریعت اور احیاء ملت کے سوا کوئی نصب العین نہ ہو بہت ہی کم بالکل کم سے کم ہیں، اور ظاہر ہے کہ علماء میں اگر منصب اور عزت کی خواہش ہوئی تو ہر ایک اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بڑائی جتانے کی کوشش کرے گا اور پھر ان میں اختلافات ہوں گے اور انھیں یہ تقرب بادشاہی کا ذریعہ بنائیں گے لامحالہ پھر معاملہ بگڑ جائے گا۔ دور سابق میں علماء سوء کے اختلافات ہی نے دنیا کو بلاء میں ڈالا تھا اب وہی چیز پھر درپیش ہے، دین کی ترویج کجا کہیں پھر تخریب نہ ہو (والعیاذ باللہ) اگر بجائے چار کے ایک ہی عالم کو اس کے لئے انتخاب کریں تو بہتر ہے، اگر علماء ربانیین میں سے مل جائے تو کیا کہنا ان کی صحبت تو کبریت احمر ہے اور اگر کوئی خالص اللہ والا میسر نہ ہو تو پھر خوب غور و فکر سے جس کو بہتر سمجھیں اس کو اختیار کریں۔۔۔۔ جس طرح مخلوق کی نجات علماء کے وجود سے ہے اسی طرح لوگوں کا خسران بھی ان ہی سے وابستہ ہے، بہترین علماء بہترین خلائق ہیں اور بدترین علماء بدترین خلائق۔ ہدایت اور گمراہی ان ہی سے وابستہ ہے ——— ایک بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ بیکار و بے فکر بیٹھا ہے اس سے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ اس زمانے کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں اور دنیا کو گمراہ کرنے کے لئے کافی ہیں ؎

کام جس عالم کا ہوگا غفلت و تن پروری
وہ کس طرح پھر کر سکے گا رہبری

میرا مقصد یہ ہے کہ اس معاملہ میں اچھی طرح غور و فکر کر کے کوئی قدم اٹھائیں جب بات ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ (مکتوب ۵۳، دفتر اول ص ۷۱)

اس سلسلہ میں ایک گرامی نامہ آپ نے صدر جہاں کو بھی لکھا ہے اس میں حق تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعوات کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''سنایا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علماء چاہتے ہیں (الحمدللہ علی ذالک) آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وہ علماء سوء ہی کی کم بختی سے پیدا ہوا تھا لہٰذا اس بارے میں خوب تحقیق و تلاش کر کے دین دار علماء کا انتخاب فرمایا جائے، علماء سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک ذی عزت ہونا ہے (خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے) ہاں ان میں جو افضل ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں وہی وہ ہیں کہ روز قیامت ان کی روشنائی شہداء کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری رہے گا۔

لوگوں میں سب سے بدتر برے علماء ہیں اور سب سے اچھے، اچھے علماء ہیں۔''

(مکتوب ۵۳، دفتر اول ص ۱۷)

ان چیزوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے کس قدر خوش تدبیری اور کتنی دوراندیشی کے ساتھ حکومت کا رخ کفر سے اسلام کی طرف پھیرا —— بہت سے ارکان حکومت اور عمائد سلطنت پر تو آپ پہلے ہی براہ راست قبضہ کر چکے اور ان کو اندر اور باہر سے کامل مسلمان بنا چکے تھے پھر ان ہی میں سے بعض کے ذریعہ خود بادشاہ وقت کو بھی بدل ڈالا۔

ہاں اس سلسلہ میں یہ چیز ذکر سے رہ گئی کہ قید سے رہائی کے بعد جو کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند یا شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے اس موقع سے بھی آپ نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جیسا کہ حضرت کے بعض مکاتیب ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت مجددؒ کی یہ مخلصانہ اور مجددانہ مساعی بہت جلد بارآور ہوئیں اور پھر کمال یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہوا کہ آج مبصرین کے لئے سلطنت مغلیہ کا یہ چپ چاپ ''انقلاب'' ایک ناقابل حل معمّا بنا ہوا ہے ——

جاری ---------------

افادات: حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
مرتّب ملفوظات: حضرت مولانا محمد عیسیٰ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ
انتخاب و پیشکش: یحییٰ نعمانی

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ارشاد

قسط نمبر (۵)

(۱۱۰۵) تکبر کا یہ علمی علاج ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ غربا کی تعظیم و تواضع کریں۔ خوشی سے نہ ہو سکے تو بہ تکلف ہی کریں۔ ان سے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو کھڑے ہو جایا کریں، ان کی دل جوئی کریں۔

(۱۱۰۹) فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی طاعت فوراً جزا سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح کوئی معصیت فوراً دسزا سے خالی نہیں ہوتی۔ مگر صحت ذوق کی ضرورت ہے، اہل ذوق کو طاعت سے اس قدر انبساط اور فرح ہوتا ہے جیسا انبساط قریب جنت میں ہوگا اور اس وقت دنیا کی سلطنت کی بھی ان کی نظروں میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی چناں چہ ایک عارف کہتے ہیں ؎

بفراغ دل زمانے نظر بماہ روئے
بہ زانکہ چتر شاہی ہمہ روز ہاء و ہوئے

پس از سی سال زیں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بودن نہ از تخت سلیمانی

مگر نہیں یہ انبساط وفرح کیسے ہو ہم کو دنیا کے سانپ نے ڈس لیا ہے جس سے مذاق ہی بگڑ گیا ہے اگر ہم بھی صحیح ذوق پیدا کرلیں تو اس کی لذت محسوس ہو۔ اسی طرح معصیت سے قلب میں اس قدر تنگی اور پریشانی ہوتی ہے کہ سر پر ہزاروں تلواریں پڑیں تب بھی ایسی کلفت نہ ہو مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود

(۱۱۱۶) فرمایا کہ مجنوں اسی طرح مجذوب عقل نہ ہونے کی وجہ سے احکام شرع کا مکلّف نہیں ہوتا۔ دونوں جماعت میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اس زمانہ کے صلحاء و اتقیاء و مشائخ جو اس کے ساتھ برتاؤ کریں احترام کا یا اعراض کا وہی عوام کو کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا اس جماعت سے کوئی امید نفع کی نہیں رکھنا چاہیے۔ حتی الامکان ان لوگوں سے الگ ہی رہنا مناسب ہے کیوں کہ ان کو عقل تو ہوتی نہیں اس لیے ان سے اندیشہ ضرر ہی کا غالب ہوتا ہے پھر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یہ مجذوب کیسے ہو جاتے ہیں فرمایا کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ کوئی وارد ایسا قوی ہوتا ہے کہ جس سے عقل مسلوب ہو جاتی ہے اور یہ سب مجاہدہ ہی کی برکت ہے کہ یہ درجہ نصیب ہو جاتا ہے اور یہی مجذوب ہیں جن کے سپرد کارخانہ تکوینیہ ہے اس کے انتظام کے ذمہ دار ہیں باقی جو اہل ارشاد ہیں وہ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وارثان پیغمبر ہیں ان کی شان کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔

(۱۱۱۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دوزخ میں کافر بھی جائیں گے اور اعمال بد کی وجہ سے مسلمان بھی تو فرق کیا ہوگا مسلم اور کافر کے عذاب میں، فرمایا کہنے کی تو بات نہیں مگر آپ نے سوال کیا اس لیے کہنی پڑی۔

۱۔ مومنین کے بارے میں مسلم کی حدیث ہے اماتہم اللہ اماتۃ اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہنم میں مسلمانوں کو عذاب کا احساس نہ ہوگا لیکن ہاں کفار کے برابر نہ ہوگا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کلوروفارم دے کر آپریشن کی جاتا ہے پھر آپریشن کی بھی دو قسمیں ہیں ایک سخت اور ایک ہلکا بعض دفعہ بہت ہی ہلکا آپریشن ہوتا ہے اس لئے ہلکا کلوروفارم کافی ہوتا ہے یہی صورت مسلمانوں کے ساتھ دوزخ میں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان صورتاً جہنم میں جائیں گے حقیقت میں نہ جائیں گے۔

۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ کفار جہنم میں تعذیب کے لئے جائیں گے ان کو عذاب کا احساس شدید ہوگا اور مسلمان محض تہذیب کے لئے جہنم میں جائیں گے ان کو عذاب کا احساس اس قدر نہ ہوگا جہنم مسلمانوں کے لئے مثل حمام کے ہے وہ اس میں پاک صاف کئے جائیں گے گو تکلیف حمام کے تیز گرم پانی سے بھی ہوتی ہے

۳۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں سے جو وعدہ انقطاع عذاب کا ہے یہ وعدہ عذاب کا زیادہ احساس نہ ہونے دیگا۔ اسکو اس مثال سے سمجھئے جیسے میعادی قیدی کا ایک وقت آرام کا ہوتا ہے اور ایک وقت کام کا۔ دونوں حالتیں قید کی ہی میں ہوتی ہے تو ایک وقت ہلکا اور ایک بھاری، اس سے بھی آگے توسیع کرتا ہوں کہ

ایک وقت قید ہی کی حالت میں سونے کا ہوتا ہے جس میں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا مجھ پر عذاب ہے پھر ایک وقت رہائی کا ہوتا ہے کہ وہ قید خانہ کی تکلیف کو کم کر دیتا ہے یہ سب گھڑت نہیں بلکہ نصوص میں ہے اور وہ بھی مسلم میں جو اصح الکتاب ہے۔

(۱۱۱۹) بلکہ جس شخص کی شہوت قوی ہے اس کی مقاومت سے زیادہ نور پیدا ہوتا ہے اور جس کی قوت شہوت کمزور ہے اس کی مقاومت سے وہ نور نہیں پیدا ہوتا تو مدار قرب خداوندی افعال اختیاریہ ہوئے جہاں اختیار کا زیادہ استعمال کیا گیا وہاں قرب زیادہ ہوا۔

(۱۱۲۰) فرمایا کہ خشوع نام ہے حرکت فکریہ کے سکون کا اور اس کے تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ ایک محمود شئی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس سے دوسری حرکات غیر محمودہ بند ہو جائیں گی اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس توجہ میں زیادہ کنج وکاؤ کرنا موجب ثقل ہے۔ معتدل توجہ کافی ہے ورنہ حدیث من شاق شاق اللہ علیہ کا مصداق ہوگا اب اگر اس درجہ کے ساتھ دوسرے وساوس مستحضر ہو جائیں تو مضر نہیں کیوں کہ یہ اس کا فعل نہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آنکھ سے کسی خاص لفظ کو قصداً دیکھیں تو اس کے ساتھ اس کے ماحول پر بھی نظر ضرور جاتی ہے مگر چوں کہ یہ نظر قصداً نہیں اس لیے یہی کہیں گے کہ فلاں لفظ خاص دیکھا اور ماحول کو خود نہیں دیکھا بلکہ خود نظر آ گیا۔

(۱۱۲۳) فرمایا کہ جو خدا کے رستہ میں چلنا شروع کرتا ہے تو حق تعالیٰ سب سے پہلے اس کے ملکات کو بدلتے ہیں جس سے اعانت ہوتی ہے طاعت کے دوام واستقامت پر اور معاصی سے اجتناب پر (کیوں کہ افعال تابع ہوتے ہیں ملکات کے جب ملکات درست ہو گئے تو معاصی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اور ملکہ وہ داعیہ ہے جو اندر سے تقاضہ کرتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ فعل سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اور ملکہ وہ داعیہ ہے جو اندر سے تقاضہ کرتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ فعل سہولت سے صادر ہو جاتا ہے) مطلب تبدیل ملکات سے یہ ہے کہ دواعی خیر کے تو قوی ہو جاتے ہیں اور دواعی شر کے ضعیف، نیکی کا تو ہر وقت تقاضا ہوتا رہتا ہے اور برائی کا بالکل تقاضا نہیں ہوتا بلکہ ترک طاعت اور ارتکاب معصیت ایسا دشوار ہو جاتا ہے کہ اگر اس کا قصد بھی کرے تو اس قدر جی برا ہو کہ گویا ذبح کر ڈالا اور اس تبدیل کو تبدیل ذات یا فنائے حسی کہتے ہیں یعنی مثلاً غصہ کا گویا وجود ہی نہیں رہا بلکہ غصہ کے بجائے حلم پیدا ہو گیا۔ جب ایک زمانہ اس حالت پر گزر جاتا ہے اور جو اس میں حکمت خداوندی تھی کہ بندہ خوگر ہو جائے طاعت کا یعنی نفرت ہو جائے معاصی سے اور دل چسپی ہو جائے طاعت سے جب یہ مقصود حاصل ہو گیا تو بعض اوقات اس میں ایک اور تغیر ہوتا ہے وہ یہ کہ جن ملکات

سیئہ کو مغلوب و مضمحل کیا گیا تھا جب ان کی مقاومت بوجہ ملکات حسنہ کے راسخ ہو جانے کے آسان ہو گئی تو اب چاہتے ہیں کہ اپنے بندہ کا اجر بڑھانا ہے اس واسطے اس وقت رفتار حکمت کی یہ ہوتی ہے کہ اول امور طبعیہ جو مغلوب ہو گئے تھے پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ ابھرتے ابھرتے غالب ہو جاتے ہیں بلکہ اپنی اصل فطرت پر آجاتے ہیں اب غصہ کے وقت لہجہ بھی سخت ہو جاتا ہے الفاظ بھی سخت نکلنے لگتے ہیں پہلے تو کوئی جوتی بھی مار لیتا تھا تب بھی چوں کہ مجاہدہ کر رہے تھے غصہ بالکل نہ آتا تھا پہلے نہ غم کی باتوں سے غم ہوتا تھا نہ خوشی کی باتوں سے خوشی ہوتی تھی۔ اب غم بھی ہوتا ہے خوشی بھی ہوتی ہے اور یہاں سالک یہ سمجھتا ہے کہ میں مردود ہو گیا، میری ساری محنت برباد ہو گئی (حضرت محنت برباد نہیں گئی بلکہ تبدیل اول کی عمر ختم ہو گئی اب دوسری تبدیلی شروع ہوئی تنزل نہیں ہوا بلکہ ترقی ہوئی ہے غم کی بات نہیں بلکہ خوشی کی بات ہے پہلی تبدیلی تھی اب صفات کی تبدیلی ہے وہاں تو غصہ کے بجائے حلم پیدا ہو گیا تھا اور یہاں غصہ کا وجود تو ہے لیکن اس میں اثر وہ ہے جو حلم میں تھا، طمع طمع ہی رہی مگر اس میں وہ اثر ہے جو سخاوت و استغناء میں ہوتا چناں چہ حضرت حاجی صاحب کی عجیب و غریب تحقیق ہے کہ رذائل نفس کا ازالہ نہ کرے بلکہ امالہ کر دے، بخل رہے بخل ہی مگر اس کا بخل بدل دیا جائے، بخل کو کھو کر سخاوت نہ پیدا کی جائے، اسی طرح سمجھو کہ غصہ بھی بڑے کام کی چیز ہے اگر غصہ نہ ہوتا تو اسلام ہی نہ پھیلتا اسلام جو پھیلا تو غصہ ہی کی بدولت کیوں کہ مقابلہ میں کافروں کے غصہ ہی میں جان دینا اور جان لینا آسان ہو سکتا ہے اسی طرح اگر بخل نہ ہوتا تو رنڈیوں، بڑووں، بدمعاشوں میں خوب مال لٹاتا، یہاں تک کہ مستحقین کی بھی نوبت نہ آتی۔ اب مستحقین ہی کو چھانٹ چھانٹ کر دیتے ہیں یہ بخل ہی کی تو برکت ہے، غیر مستحقین کو نہ دینا لیکن بخل جو ہے سخاوت کی ماں ہے، سخاوت خود محتاج ہے اس بخل کی۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم کو پہلے سے یہ خبر ہوتی کہ تصوف میں اخیر میں کیا چیز حاصل ہوتی ہے تو میاں ہم تو کچھ بھی نہ کرتے مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس کے لیے اتنے مجاہدے اور ریاضتیں کی تھیں وہ ذرا سی بات ہے، حضرت نے اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے اس ذرا سی بات کو نہیں بتلایا۔ میں اپنی کم ظرفی سے بتلاتا ہوں کہ وہ ذرا سی چیز ہے کیا جس کو حاصل کرنے کے لیے اتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں، وہ یہی ہے جس کو میں نے تبدیل ثانی کے عنوان سے بیان کیا ہے کیوں کہ یہی ہے پیدا کرنے والی تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے محافظ تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے بڑھانے والی تعلق مع اللہ کی۔ غرض وہ ذرا سی بات جو تصوف کا حاصل ہے یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو، سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جس کو یہ بات حاصل ہو گئی اس کو پھر ضرورت نہیں نہ شیخ کی نہ سید کی نہ مغل کی نہ پٹھان کی۔ نہیں تو چاروں ذاتوں کی

ضرورت ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا
خورند از برائے گلے خارہا

شیخ کا بس یہی کام ہے کہ اسی ذرا سی بات کے حاصل کرنے کی تدبیر بتلاتا ہے اور کچھ نہیں کرتا، بدون شیخ کے اس کا حصول متعذر ہے۔ قدم قدم پر گاڑی اٹکے گی یہ پتہ چلے گا کہ ادھر جاؤں یا اُدھر، دونوں چیزیں ایک نظر آئیں گی ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں
درمیاں شانِ برزخ لا یبغیاں

(۱۱۲۵) اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ بلا قصد و بلا علم کسی کے ان سے مخلوق کو نفع پہنچ رہا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ جب کوئی مقبول بندہ مرتا ہے تجربہ ہے کہ اگر سب قلوب نہیں تو بہت سے قلوب ایسے ہیں کہ ان کو اپنے اندر فوراً ایک تغیر محسوس ہوتا ہے کہ وہ نورانیت اور برکت جوان بزرگ کی حیات میں تھی کم ہوگئی حالانکہ ان کے پاس کبھی گئے بھی نہیں۔ خط و کتابت بھی نہیں کی، دعا بھی نہیں کرائی۔ پھر وجہ کیا تغیر کی، معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے کچھ مدد پہنچتی تھی وہ کم ہوگئی۔

(۱۱۳۲) فرمایا کہ پل صراط کی حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال فرع ہیں اخلاق کے، اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جو جڑ ہیں تمام اخلاق کی یعنی جن قویٰ سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں تین ہیں۔ قوت عقلیہ، قوت شہویہ، قوت غضبیہ۔ حاصل یہ کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کے لیے خواہ وہ دینویہ ہوں یا اخرویہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت ومضرت کو سمجھے وہ قوت مدرکہ قوت عقلیہ ہے اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے یہ قوت شہویہ کا کام ہے۔ اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو دفع کرے یہ قوت دافعہ قوت غضبیہ ہے پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں، پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں افراط وتفریط واعتدال۔ چناں چہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ مانے جیسے یونانیوں نے کیا۔ تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل وسفہ تک اتر آئے۔ اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حرام وحلال کی بھی تمیز نہ رہے، بیوی اجنبیہ سب برابر ہو جائیں اور ایک درجہ ہے تفریط ،یعنی ایسا پرہیز گار بنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ

بالکل بھیڑیا ہی بن جائیں اور تفریط یہ کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مار لے۔ دین کو بھی برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آئے یہ تو افراط وتفریط تھا، ایک تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے۔ تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے، افراط کا درجہ ہے اس کا نام ہے جزبرہ، جو تفریط کا درجہ ہے اس کو سفاہت کہتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے اس کا لقب حکمت ہے اسی طرح قوت شہوت کے افراط کا درجہ فجور ہے، تفریط کا درجہ جمود ہے، اعتدال کا درجہ عفت ہے اور قوت غضبیہ کا درجہ افراط تہور ہے اور گھٹا ہوا درجہ جبن ہے، اعتدال کا درجہ شجاعت ہے تو یہ نو چیزیں ہوئی جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں، یعنی حکمت، عفت اور شجاعت، باقی سب رذائل ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ ہیں کہ ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے اسی لیے اس امت کا لقب امت وسط یعنی امت عادلہ ہے۔ غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں بزرگ تو بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں چناں چہ شاعر لکھتا ہے ؎

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند
ایں جملہ شدی ولیکن انساں نہ شدی

جب یہ بات سمجھ میں آئی تو اب وہ سمجھئے کہ اعتدال حقیقی سب سے زیادہ مشکل ہے، کیونکہ اعتدال حقیقی کہتے ہیں وسط حقیقی کو اس میں ذرہ برابر نہ افراط ہو نہ تفریط اور مشاہدہ سے اس کا دشوار ہونا ظاہر ہے اور پل صراط اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے اور اس کی دشواری تلوار کی تیزی اور بال سے زیادہ باریکی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

(۱۱۳۸) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں فرمایا کہ چوں کہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لیے اس کا احتمال مجھ کو بھی ہے مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا چاہئے محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا بھی نہیں ہوا (**الحمد للہ حمداً کثیر أطیباً مبار کاً فیه علی هذا الاحتمال**)

(۱۱۴۰) فرمایا کہ میرا ذوق ہے کہ انبیاء سے معصیت صادر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ طاعت ہی ہے گو خفی سہی اور عصیٰ وغویٰ وغیرہ جو صیغے مستعمل ہیں وہ باعتبار شق مقابل کے ہیں کہ وہ شق مقابل صادر سے افضل ہے نہ یہ کہ معصیت ہے اور تعبیر بالمعصیت محض صورۃً ہے۔

(۱۱۴۲) فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے اس لیے رہبر کامل کی ضرورت ہے بعض اوقات

ماضی پر افسوس کرنا بھی حجاب مستقبل کا ہوجاتا ہے کہ اس تاسف میں غلو کے ساتھ مشغول ہوکر آئندہ کے لیے معطل ہوجاتا ہے۔

(۱۱۴۳) فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض وتنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہیے۔

(۱۱۴۴) فرمایا کہ کامیابی کا مدار طلب پر ہے حسب طلب جو مناسب ہوگا ملے گا اور جہاں ایک نظر میں کامیابی ہوئی ہے وہاں بھی مجاہدہ ہی کی بدولت ہوئی ہے بہت سے مجاہدات اس نظر سے مقدم رہے ہیں۔

(۱۱۴۶) ایک مولوی صاحب نے شکایت کی کہ نماز کی حالت میں ایک کیفیت پر استقرار نہیں ہوتا بلکہ بعض ارکان میں خطرات مستولی ہوجاتے ہیں فرمایا کہ یہ تقلبات سفر ہیں اور تثبت منزل ہے منزل پر رسائی سفر ہی سے ہوتی ہے اور کوئی طریق نہیں یوں ہی چلنے دیجیے ان شاء اللہ ایک روز تثبت بھی عطا ہوجائے گا جس کی کوئی مدت متعین نہیں ہوسکتی جب تک حاصل نہ ہو اس کی طلب وقصد بھی قرب وقبول میں بجائے حصول ہی کے ہے۔

(۱۱۴۷) فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کرلیا جائے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہی ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کرلیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کرلیا جائے اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں یا شکر ہوگا جب منعم کے استحسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔

(۱۱۴۸) اس طریق میں جو حالت غیر اختیاریہ پیش آئے خیر محض ہے اور اس میں بے حد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے لیکن آگے چل کر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔

(۱۱۵۰) احناف وغیر مقلدین جو ایک ہی مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ان میں ایک مولوی صاحب بریلوی تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اس پر احناف نے مسائل مختلف فیہا کے متعلق دریافت کیا، فرمایا کہ مختلف فیہ مسئلہ میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے اس لیے ایک مثل کے قول پر بھی نماز عصر درست ہوجائے گی گو احتیاط احناف کے لیے یہی ہے کہ مثلین کے بعد پڑھیں لیکن اس احتیاط سے زائد اہم فتنہ سے

بچنا ہے اس لیے بدون اس کے اگر فتنہ نہ مٹے تو اس عارض کی وجہ سے مثلین پر عمل کرنے سے ایک مثل پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا اسی طرح اگر حضرات اہل حدیث یہ اعانت کریں کہ اول وقت کی فضیلت کی تحصیل پر اتفاق کی فضیلت کو ترجیح دے کر مثلین کے بعد عصر پڑھنا گوارہ کرلیں تو اس میں زیادہ ثواب ہوگا بلکہ زیادہ بہتر ہے کیوں کہ مثلین کے بعد تو بالاتفاق عصر درست ہے اور مثل کے بعد بعض اقوال پر درست نہیں اور اگر اس صورت مذکورہ کو کوئی فریق نہ مانے تو صورت اسلم یہ ہے کہ اہل حدیث ایک مثل کے بعد اذان دے کر نماز ادا کریں اور پھر احناف اپنے وقت پر اسی اذان کو تسلیم کر کے نماز ادا کریں۔

(۱۱۵۴) فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلاضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ارادۂ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق، یہ تجربہ ہے ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا ہم اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے حضرت ابراہیم بلخی، حضرت شاہ شجاع کرمانی کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر اپنے آپ کو قیاس نہ کیا جائے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

(۱۱۵۶) ایک صاحب نے اپنے کرایہ داروں سے ترغیب نماز کے متعلق تشدد کیا اور کہا کہ اس مکان میں رہنے کی شرط یہ ہوگی کہ بلا عذر شرعی جماعت و مسجد کی پابندی میں فرق نہ آئے، تخفیف کرایہ کی لالچ دلانی چاہی اس پر حضرت نے فرمایا: کہ اگر آپ کی جگہ میں کم ہمت ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا یعنی اپنے نفس کو تو یہ سمجھاتا کہ ان پر سختی اور ان تدبیروں سے اثر ڈالنا مجھ پر واجب نہیں پھر کیوں تعب میں پڑوں البتہ اتنا ضرور کرتا کہ ترغیب کے ساتھ ان کو جمع کر کے وعظ سناتا اور رعایتیں بلا کسی شرط اور بلا کسی ضابطہ کے کرتا۔ وہ مانوس و منبسط ہو کر خود بخود کام کرنے لگتے اور جو اس پر بھی متاثر نہ ہوتے ان کے حال پر چھوڑ کر صرف دعا پر اکتفا کرتا۔

(۱۱۶۲) یاد رکھو کہ لوگوں میں ایک کو دوسرے کے اوپر بلندی اور رفعت صرف اس سے حاصل ہوتی ہے کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کیا جائے اور کثرت سے صدقہ و احسان کیا جائے اور کسی سے حسد نہ کیا جائے اور بدی کرنے والوں کا بدلہ بدی سے نہ دیا جائے چناں چہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ (یہ ملفوظ حضرت والا کا نہیں ہے، مفید ہونے کے سبب درج کیا گیا)

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

اللہ پر توکّل کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (سورۃ طلاق: ۳)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

مومن کی زندگی کا ایک خاص امتیاز

مومن کی زندگی کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کو فاعل حقیقی سمجھتا ہے، وہ یہ جانتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ رب العزت کے حکم سے ہو رہا ہے، اس کی مرضی سے ہو رہا ہے، لہٰذا ہر معاملہ میں اس کی توجہ اللہ رب العزت کی ذات کی طرف رہتی ہے، مومن کو اللہ رب العزت کے وعدوں پہ بھروسہ ہوتا ہے، یقین ہوتا ہے، اس کے دل میں اعتماد ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق زندگی گذاروں گا تو اللہ میری مدد فرمائیں گے اور مجھے کامیاب زندگی عطا کریں گے، کیونکہ اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً (سورۃ النحل ۹۷)'' جس نے بھی نیک اعمال کئے اور وہ ایمان والا ہوا ہم ضرور بالضرور اس کو ایک پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ زندگی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اس لئے مومن کو سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت مدد فرمائیں گے، پھر وہ کامیاب زندگی کے اسباب میں قدم

توبڑھاتا ہے، اسباب کو اختیار تو کرتا ہے، اپنی طرف سے محنت بھی کرتا ہے، لیکن نتائج کو اللہ کے حوالے کردیتا ہے، یہ جو ایک خاص نکتہ ہے کہ محنت تو کرنا مگر نتیجہ اللہ کے حوالے کردینا پھر جو بھی ہو اس پر راضی بھی رہنا، اس کو ''توکل'' کہتے ہیں۔

اللہ پر بھروسہ زندگی کو پُرسکون بناتا ہے

ہم نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کی زندگیوں میں توکل نہیں ہوتا وہ بہت پریشانیوں کا وقت گذارتے ہیں، چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو کاروباری ہیں مگر ان کے دماغ پہ اثر ہوجاتا ہے، وہ دماغی مریض بن جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب ان کے کاروبار کا نقصان ہوتا ہے، ان کا پلان فیل ہوتا ہے اور پھر وہ سوچتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا تو وہ نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ اوہو میں نے Advertising (تشہیر) ٹھیک نہ کی، اوہو میں نے پلاننگ ٹھیک نہ کی، میں نے فلاں چیز کے سلسلے میں Follow up ٹھیک نہ کیا، اس لئے ایسا ہوگیا، چونکہ وہ ان ہی چیزوں کو سامنے رکھتے ہیں کہ میں نے یہ نہ کیا، یہ نہ کیا، اس وجہ سے میں نقصان اٹھا بیٹھا، لہٰذا ان کے دماغ پہ اثر ہوجاتا ہے اور وہ دماغی مریض بن جاتے ہیں۔ مومن کی زندگی کی شان دیکھئے کہ اگر وہ کوئی بھی کام کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ نتیجہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر اللہ چاہیں گے تو اس میں سے میرے لئے اچھا نتیجہ نکال دیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں نکلے گا، لہٰذا وہ اس کے اوپر مطمئن ہوجاتا ہے، خوش ہوجاتا ہے۔

ایک باغبان کا اتنا ہی کام ہوتا ہے کہ وہ زمین کو سازگار بنائے، بیج ڈالے وقت پر پانی کھاد وغیرہ کا انتظام کرے، اب یہ کام تو وہ کردیتا ہے، آگے موسم کے مطابق پھل کا لگ جانا، پک جانا، نکل جانا، یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ پھل پکنے کا موسم آیا اور آندھی آئی اور آندھی نے اس کے اوپر جتنا پھل تھا اس کو گرا ہی دیا، پھل اس کے اوپر بچا ہی نہیں، تو اس میں سے لگانے والے کو کچھ نہ ملا، بہت سی مرتبہ بیماریاں آجاتی ہیں۔ اس لئے اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ مومن کو اللہ کی ذات پہ اعتماد ہوتا ہے تو اللہ رزق بھی عطا فرمادیتے ہیں، باغبان جس طرح پانی دینے کے بعد اللہ پر نظر رکھتا ہے، مومن بھی عمل کرنے کے بعد اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اللہ! میرے اس عمل کے اندر برکت ڈال دیجئے گا اور اس کو قبول کرلیجئے گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک ہی سبب ہے اور وہی سبب انسان کی بیماری میں شفا کا سبب بن جاتا ہے اور وہی سبب انسان کی بیماری کا سبب بنتا ہے، بعض دفعہ دودھ پیتا ہے تو صحت مند ہوتا ہے اور بعض مرتبہ دودھ پیتا ہے تو وہی دودھ Food poisining (غذائی سمّیت) کی وجہ سے پیٹ خراب

ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے، تو اثرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کس چیز میں کیا اثر ڈالنا ہے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا وہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی فرمائے گا۔

ہمارے ایک بہت قریبی تعلق والے تھے، جب وہ ڈیوٹی پہ جاتے تھے تو محلے کے ایک ڈاکٹر صاحب تھے تو وہ ان کے پاس جا کے کچھ رقم بیس تیس روپے دے دیتے تھے تو وہ ڈاکٹر صاحب پوچھتے تھے کہ کیوں دے کے جا رہے ہیں؟ وہ کہتے تھے کہ میں اس لئے دے کے جا رہا ہوں کہ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا مریض آئے جو کچھ دے نہ سکتا ہو تو آپ ان پیسوں سے اس کو مفت دوائی دے دیں، تا کہ اس کا کچھ علاج ہو جائے، تو حکیم صاحب کہتے ہیں کہ میں سمجھا کہ شاید یہ امیر آدمی ہیں، اس لئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں، لیکن ایک دن میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ان کے اپنے بھی معاملات بہت ٹائٹ ہیں، میں نے کہا یہ تو مجھے بہت پیسے دیتے ہیں جس سے میں غریبوں کا علاج کرتا ہوں، اس پر پتہ چلا کہ وہ جب بیمار ہوتے تھے تو اپنے پیسے ڈاکٹر کو دے دیتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب جو مستحق ہو ان کا علاج ان پیسوں سے کر دینا اور کہتے تھے کہ میرا اللہ مجھے براہ راست خود شفا عطا فرما دے گا، اور واقعی ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی مریض کو مفت دوائی پہنچاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان کو شفا عطا فرما دیتے تھے، اس کو کہتے ہیں توکل، اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہونا، کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، اگر میں اللہ کو راضی کروں گا تو وہ میرے کاموں کو سنوارے گا، اسی لئے فرمایا: ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه'' جو اللہ پہ توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اگر کسی ملک میں کوئی ملک کا بڑا ہو تو جو اس کے قریبی ہوتے ہیں وہ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ چونکہ ہم بڑے کے قریب ہیں، اس کے عزیز ہیں، لہٰذا اس ملک میں ہمارے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، سوچئے کہ جو کائنات کو پیدا کرنے والے ہیں، جو پروردگار عالم ہیں، اب جس بندے کا ایسے اللہ کی ذات سے تعلق ہو جائے اس کی زندگی کتنی پرسکون گذرے گی۔

اس توکل کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نہ انسان حرام کماتا ہے، نہ رشوت لیتا ہے، نہ مال کے اندر ملاوٹ کرتا ہے، نہ جھوٹ بول کے اپنا مال بیچتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ رزق مجھے اللہ ہی دے گا، وہ اپنی طرف سے محنت بھی کرتا ہے لیکن اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، اب یہ اللہ پہ توکل کرنا اس کے ایک ایک غم کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک جوان العمر لڑکی جس کی عمر ۲۴ سال تھی، بس ایک سال ہوا تھا اس کی شادی کو، اللہ کی شان دیکھیں کہ اس کا خاوند کسی ایکسیڈنٹ کے اندر فوت ہو گیا، اب ۲۴ سال کی نوجوان لڑکی اور ایک اتنا اچھا لکھا پڑھا خاوند اچانک اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا، ذرا سوچیں کہ اس عورت کی زندگی میں تو پھر تاریکی آجاتی کہ اس کا خاوند اس سے بچھڑ گیا، مگر وہ بچی تین چار دن ذرا روتی دھوتی رہی، جب کسی نے اس سے بات کی کہ تمہارا خاوند فوت ہو گیا، تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کا امر ہے، حکم اللہ کا، حکم اللہ کا، سوچیں کہ جن کی اللہ پہ نظر ہے، اللہ پہ توکل ہے، ان کے لئے غموں کو برداشت کرنا کتنا آسان ہوتا ہے، اب یہ اس لڑکی کے لئے کتنا بڑا سانحہ اور صدمہ تھا، کتنی غم کی بات تھی، یہ اس کو دماغی مریض بنانے کے لئے کافی تھا، ہوسکتا تھا کہ اس کا دماغی توازن ہی ختم ہو جاتا، مگر نہیں، یہ توکل ایسی عجیب نعمت ہے کہ اس بچی کا اگرچہ خاوند ختم ہو گیا پھر بھی وہ کہتی ہے کہ یہ اللہ کا امر ہے، میں اللہ کے حکم پہ راضی ہوں، اب اس کے سر کے اوپر سے بوجھ ہی ختم ہو گیا۔ مسلمان گھرانوں میں اس کی برکتیں دیکھی جاسکتی ہیں کہ انسان یہ کہتا ہے کہ میں اللہ پہ نظر رکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری ہی ذات پہ نظر رکھیں اور مجھ سے ہی مانگیں، چنانچہ حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ جنت میں وہ لوگ جائیں گے جن کے دل پرندوں کے دلوں کے مانند ہیں، تو شارحینِ حدیث نے اس کا مطلب لکھا کہ جیسے پرندوں کے دلوں میں اللہ کی ذات پہ توکل کامل ہوتا ہے، کہ اللہ ہمیں رزق دے گا، چنانچہ وہ گھر سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور اللہ ان کو کھلا کے واپس بھیجتا ہے، جو اللہ پہ توکل کرتے ہیں انھیں اسی طرح ہمیشہ رزق ملتا ہے، اس پر اللہ کی رحمت اترتی ہے اور بندے کے بہت سے کاموں کو سنوار دیتی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پہ خوب بھروسہ کریں، توکل کریں۔

شیطان کی دھوکہ بازی اور توکّل کی حقیقت

یہاں شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے، پہلا دھوکہ تو یہ دیتا ہے کہ وہ دل میں ڈالتا ہے کہ کام کوئی نہ کرو، بس یہی سوچو کہ جو اللہ چاہے گا ہو جائے گا، یہ صحیح نہیں ہے، چونکہ عمل کرنا سنت ہے، رزق حلال کے لئے قدم اٹھانا فرض ہے، اس لئے جو بھی اپنا کام ہے ہم اس کو خوب ہمت کے ساتھ کریں، پھر اس کے نتائج کے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ ایک صحابیؓ نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اونٹ کو اللہ کے توکل پر اسی طرح چھوڑ دوں یا پہلے اونٹ کو باندھوں پھر اللہ پہ توکل کروں؟ تو نبی علیہ

السلام نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو باندھو پھر اس کے بعد توکل کرو، تو ہمیں اسباب بھی اختیار کرنے ہیں مگر اسباب کو اختیار کر کے اسباب پہ نظر نہیں رکھنی ہے، نظر مسبّب الاسباب پہ رکھنی ہے، دوائی کو سنت سمجھ کے پیئے مگر توکل رکھے کہ اللہ چاہیں گے تو اس وقت اس دوائی سے شفا عطا فرمائیں گے، تو یہ توکل کہلاتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُه'' کہ جو اللہ تعالی پہ توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری قرآن مجید کی آیت ہے: ''وَتَوَكَّلْ عَلَى الله'' اور اللہ پہ توکل کرو ''وَ كَفٰى بِاللهِ وَكِيلًا'' اور اللہ رب العزت ہی بہترین وکیل ہے، کارساز ہے، تو جو انسان اللہ پہ توکل کرتا ہے، اس کے وکیل اللہ بن جاتے ہیں اور جب اللہ تعالی وکیل بنیں گے تو بندے کے رزق میں، عزت میں، کاموں میں ہر چیز میں اللہ کی مدد ظاہر ہوگی، اور اللہ جب خود کافی ہو جاتے ہیں تو کسی اور کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، آج اس چیز کی اتنی کمی ہے کہ ہم ہر بات میں مخلوق کی طرف رجوع کرتے ہیں، توجہ بھی ہے تو مخلوق کی طرف، آپس میں جب ایک دوسرے کے کام کاج کرنے کا وقت آتا ہے تو مخلوق سے ہی امیدیں ہوتی ہیں، حالانکہ یہی تو وقت ہے اللہ پہ توکل کا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی		مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

یہ تو دین اسلام کی تعلیمات کا انکار ہی ہوگیا کہ کوئی بندہ صرف اسباب کے اوپر نظر رکھے نہیں! نظر مسبّب الاسباب پہ رکھنی چاہیے، جو اپنی طرف سے کوشش کرے اور نتائج کا معاملہ اللہ پہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں اس کے معاون بن جائیں گے، کتنا آسان طریقہ ہے اللہ تعالیٰ کی مدد کو لینے کا کہ جو بندہ نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ گھوڑے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو ٹانگے میں استعمال کئے جانے والے گھوڑے اور ایک اور گھوڑے ہوتے ہیں جو مقابلہ کے لئے ہوتے ہیں، اب یہ گھوڑے High Speed (تیز رفتار) دوڑتے ہیں اور بڑے بڑے مقابلے میں جیت جاتے ہیں، پھر ان کی کروڑوں روپئے کی قیمت لگتی ہے اور ان کی خدمت کی جاتی ہے، ان کو اعلیٰ غذا دی جاتی ہے، سوچیں کہ گھوڑ دوڑ کا جیتنے والا گھوڑا ہو، تو کیا اس کا مالک اس کو کہیں ٹانگے کے اندر استعمال کرے گا؟ کبھی نہیں کرے گا، وہ تو کہے گا کہ یہ تو میرا اتنا قیمتی گھوڑا ہے میں اسے کیوں اس ٹانگے کے اندر استعمال کروں۔ اسی طرح جو دین کا کام کرنے

والے لوگ ہوتے ہیں وہ اللہ کے دوڑ کے گھوڑے ہوتے ہیں، اللہ ان کو دنیا کے کاموں میں نہیں استعمال فرمایا کرتے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو دین کا کام کریں گے اور اللہ کو راضی کریں گے تو اللہ رب العزت کی طرف سے مدد ان کے ساتھ ہوگی اور اللہ ان کے کاموں کو سنواریں گے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پہ توکل کریں اور اپنے کاموں کو جتنا کر سکتے ہیں محنت کے ساتھ کریں اور نتائج اللہ پر چھوڑیں کہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں گے اتنا کام بنا دیں گے۔

توکل کے درجات

علماء نے لکھا ہے کہ توکل کے تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ

ایک درجہ یہ ہے کہ انسان ان اسباب کو اختیار کرے جو یقینی نتیجہ دیتے ہیں، مثال کے طور پہ بھوک لگی ہے، مجھے پتہ ہے کہ میں روٹی کھاؤں گا تو میری بھوک یقیناً اتر جائے گی۔ پیاس لگی ہے میں پانی پیؤں گا تو یقیناً پیاس بجھ جائے گی۔ مجھے نیند آرہی ہے، مجھے پتہ ہے کہ اگر میں ۵،۶ گھنٹے سو جاؤں گا تو طبیعت فریش ہو جائے گی، تو یہ یقینی اسباب کہلاتے ہیں، ان اسباب کو اختیار کرنا بندے کے اوپر فرض ہوتا ہے، چنانچہ جب بھوک لگے تو کھانا کھائے، جب پیاس لگے تو پانی پیئے، ایسا نہیں کہ سست ہو کے بیٹھا رہے اور کہے کہ خود بخود میری پیاس ختم ہو جائے گی، نہیں، ان کے اسباب کو اختیار کرے پھر پیاس اللہ اتاریں گے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سبب اختیار کرنے کے باوجود بھی پیاس نہیں اترتی، ایک بیماری ہے جس کو کہتے ہیں استسقاء کی بیماری، اس بیماری میں انسان اتنا پانی پیتا ہے کہ پی پی کے پیٹ پھٹنے کو آجاتا ہے مگر پیاس ختم نہیں ہوتی، اتنی پیاس کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تو معلوم ہوا کہ ہم اگر ایک گلاس پانی پیتے ہیں تو وہ ایک گلاس پانی پیاس کو نہیں مٹاتا، بلکہ اس کو اللہ رب العزت مٹاتا ہے، اس لئے نظر اللہ کے اوپر رکھنی چاہئے۔ تو پہلا درجہ وہ اسباب جو یقینی انسان کو فائدہ دیتے ہیں، ان کو اختیار کرنا فرض ہوتا ہے، یعنی پیاس لگی ہے تو پانی لو اور بھوک لگی ہے تو کھانا کھالو اور نیند آرہی ہے تو سو لو، اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ولنفسک علیک حق'' تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر حق ہے کہ جو اس کی ضرویات ہیں وہ ضروریات تم خود اس کو Provide (مہیّا) کرو، توکل کا یہ پہلا درجہ فرض ہے۔

دوسرا درجہ

دوسرا درجہ یہ ہے کہ جس میں نتیجہ ظن کے درجے میں ہوتا ہے، ظن کہتے ہیں گمان کو، کہ گمان ہوتا ہے کہ یہاں یہ سبب فائدہ دے گا، مثال کے طور پہ سر میں درد ہے تو Panadol کی گولی کھالو درد ختم ہوجائے، یہ ایک ظن ہے، بخار ہے تو Antibiotic شروع کردے بخار ختم ہوجائے گا، تو یہ درجہ جو ہے اس کو سنت کہتے ہیں، یعنی ایک بیمار بندے کے لئے علاج کرنا سنت ہے، اس کو بھی اختیار کرنا چاہئے اور اس کے مطابق زندگی گذارنا چاہئے۔

تیسرا درجہ

تیسرا درجہ یہ ہے جس کو وہمی درجہ کہتے ہیں، کہ انسان کے ذہن میں ایک وہم آجاتا ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ ایک آدمی کا کاروبار نہیں چل رہا ہے، اب جب کاروبار نہیں چلتا تو وہ پہنچ جاتا ہے کسی عملیات والے کے پاس، اب عملیات والا بندہ اس کو بتاتا ہے کہ ہاں!۔۔۔تمہارے کاروبار کو کسی نے باندھ دیا، اب اگر یہ بندہ اس کو مان لیتا ہے تو اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے اس لئے کہ کاروبار کو کوئی بندہ نہیں باندھتا، کاروبار کو اللہ تعالیٰ باندھتے ہیں، تو ان کی طرف نظر نہ ہو، اس لئے عملیات کی لائن کے جتنے لوگ ہوتے ہیں وہ دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت ڈالتے ہیں، بندے کو پریشانیاں ہیں، لگتا ہے کسی نے کر کے کھلا دیا، کس نے کیا؟ وہ..... تمہاری پھوپھی نے لگتا ہے کچھ کر کے کھلا دیا، لہٰذا اس کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا، اس سے بولوں گا بھی نہیں، اس کا مطلب کہ اس نے دلوں کو دور کر دیا، تو یہ ظنی ہیں، اس میں انسان عملیات پہ نہ بھروسہ کرے، بلکہ اس میں اللہ کی ذات پہ نظر کرے کہ اللہ چاہیں گے تو میرا یہ کام ٹھیک ہوجائے گا۔ بعض عورتوں کو دیکھا کہ جن کی شادی نہیں ہوتی، کہتی ہیں کہ اجی۔۔۔کیا کریں لوگ رشتہ دیکھنے آتے ہیں تو خوشی کا بھی اظہار کرتے ہیں، پسند کا بھی اظہار کرتے ہیں مگر دوبارہ نہیں آتے، اب اس بچی کو کسی عملیات والے کے پاس بھیجیں تو عام طور پہ عملیات والے جو پیشہ ور قسم کے ہوتے ہیں؛ کہتے ہیں کہ کسی نے تمہارا رشتہ باندھ دیا، اب بچی کا دماغ خراب ہوگا، ہر وقت یہی سوچے گی کہ کون ہے جس نے میرا رشتہ باندھا، تو ایسے معاملات میں انسان اللہ پہ توکل کرے۔ ٹھیک ہے رشتے میں رکاوٹ تو ہوتی ہے، اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے وہ اسباب کو اختیار بھی کرتا ہے، مگر اس کی خاطر وہ کسی رشتہ دار سے بولتا نہیں تو یہ کتنی بڑی غلطی کر رہا ہے؟ کیا وہ رشتہ باندھ سکتا ہے؟ روک سکتا ہے؟ رزق باندھ سکتا ہے اس کو روک سکتا ہے؟ اس

لئے انسان کو ان معاملات میں بہت پختہ ہونا چاہئے اور جیسے بھی حالات ہوں کبھی وہمی چیز ذہن میں نہیں رکھنی چاہئے کہ کسی نے کچھ کردیا ہوگا، بلکہ ان معاملات میں اللہ تعالی کی طرف رخ کرلینا چاہئے کہ اللہ تعالی جو چاہیں گے وہی ہوگا اس لئے کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ یہ مومن کی امتیازی شان ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم نے دیکھا کہ جس طرح پرندے اپنا رزق جمع کرکے نہیں رکھتے اور روزانہ اپنے گھروں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو شام کو پیٹ بھرے واپس کرتے ہیں، یعنی حال دیکھئے کہ پرندے گھروں سے خالی پیٹ نکلتے اور اللہ ان کو پیٹ بھر کے گھر پہنچادیتے ہیں اور انسان گھر سے پیٹ بھر کے نکلتا ہے اور شام کو خالی پیٹ اپنے گھر واپس آتا ہے اور دہائی مچاتا ہے کہ ۵ منٹ میں سالن گرم کردو، روٹی پکانا شروع کردو اور یہ چیز بھی بنالو، جو پروردگار پرندوں کو رزق دے سکتا ہے وہ بندوں کو بھی تو رزق دیتا ہے، اس لئے اللہ کی ذات پہ بھروسہ کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالی ہمارے کاموں کو سنواریں۔

ایک نکتہ

یہاں پر ایک نکتہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ انسان کئی دفعہ اسباب کو اختیار کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں ہم اسباب کو اختیار کررہے ہیں، تو یاد رکھیں کہ اسباب کو اختیار کرنا تو بہت ضروری ہے مگر وہ اسباب کب تک ہیں، کب تک نہیں ہیں، انسان کہہ تو نہیں سکتا، اگر انسان اللہ رب العزت پر نظر رکھے تو اللہ فرماتے ہیں ''وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ'' اور اللہ پہ توکل کر ''وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا'' اور اللہ اس کے وکیل کافی ہوجائیں، جب اللہ ہی بندے کا وکیل بن جائیں گے تو اس بندے کی سرخروئی میں کوئی شک نہیں ہوا کرتا، اس لئے ہر معاملہ میں ہمیں اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اللہ تعالی کی طرف دھیان کرنا چاہئے اور جتنا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ سکتے ہیں اتنی دعائیں مانگ لینی چاہئیں۔

پھر اگر کوئی بندہ سبب بنتا ہے کسی کام کا تو آپ کو پتہ ہے کہ اس کے سبب سے میرے کام ہوتے رہتے ہیں، آج بندہ وزیر تھا میرے کام کروادیتا تھا اب وہ ریٹائر ہوگیا، یا وہ بیمار ہوگیا، یا وہ کام کروانے والا بندہ فوت ہوگیا، اس کا مطلب کہ جو کام کروانے کے سبب تھے وہ ختم ہوگئے، اللہ تعالی قرآن میں فرماتے ہیں ''وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ'' تم توکل کرو اس زندہ رہنے والی ذات پر جس کو کبھی موت نہیں آسکتی، سبحان اللہ یہ کتنی اعلی بات ہے کہ انسان بندوں سے امیدیں لگانے کے بجائے اپنے پروردگار سے امیدیں لگائے، وہ پروردگار جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، وہ پروردگار جو زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک ہے، وہ پروردگار جو اپنی مخلوق کا اکیلا خالق ہے، وہ پروردگار جو مخلوق کا خود رب ہے، وہ پروردگار جو اپنی مخلوق

کی خود تربیت فرما تا ہے، اور اس کا رازق ہے، اس کو رزق خود پہنچا دیتا ہے تو ایسا پروردگار جب ہمارا وکیل بن جائے اور ہم اللہ کی ذات پہ نظر رکھیں تو پھر دیکھیں کہ ہمارے کام کیسے بنتے ہیں۔ ہم نیکی کی طرف تو آتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا کے سب کام ٹھیک ہو جائیں۔

ایک حدیث مبارک ہے کہ اے بندے ایک تیری مرضی ہے، ایک میری مرضی ہے، اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو تیری مرضی ہے، تو میرے بندے میں تجھے تھکا بھی دوں گا اور تیرے کاموں کو بھی سنورنے نہیں دوں گا، اور اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو میری مرضی ہے تو اے میرے بندے میں تیرے کاموں کو بھی سنوار دوں گا اور سارا دن تجھے تر و تازگی عطا فرما دوں گا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالی کی ذات پہ نظر رکھیں، اس کی طرف دھیان رکھیں، دعائیں بھی اسی سے مانگیں، نمازیں پڑھیں تو خشوع خضوع والی، ذکر فکر والی جب یہ ایسا بندہ ہو گیا تو پھر انسان توکل کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔

ہمارے حضرات کا توکل کیسا تھا؟ سبحان اللہ! حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ نے خانوال میں ایک مسجد بنائی، جو پورے شہر کی سب سے بڑی مسجد تھی اور رکشہ ڈرائوروں نے اس کا نام ''بے چندہ مسجد'' رکھا ہوا تھا، بے چندہ مسجد کا مطلب کہ جو چندہ نہیں کرتے، نہ جمعہ میں، نہ جمعہ کے علاوہ، اس لئے لوگوں نے اس کا نام بے چندہ مسجد رکھ لیا تھا، بعد میں پھر مینار مسجد سے مشہور رہو گئی، تو کتنا اللہ کی ذات پہ توکل تھا کہ سب کچھ اللہ ہی سے مانگا، تو جو توکل کی زندگی گذارنے والے لوگ ہوتے ہیں اللہ ان کا معین ہوتا ہے، اللہ ان کا وکیل ہوتا ہے، اللہ ان کا حامی و ناصر و ہوتا ہے اور اللہ ان کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے اور اللہ ان کو دنیا میں برکتوں کی زندگی عطا کرنے والا ہوتا ہے، لہٰذا آج کے اس درس میں ہم نے ایک نئی صفت کو سیکھا ہے جس کو توکل کہتے ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی میں یہ بہت زیادہ تھا، اس لئے جس قوم کے لوگوں نے نبی علیہ السلام کو شہر سے نکالا اور پتھر مروائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھک چکے تھے بلکہ پتھر کے لگنے کی وجہ سے خون بھی آرہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف شہر سے باہر ایک جگہ پر تشریف لائے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا صدمہ تھا، چونکہ دل میں امید کر کے آئے تھے کہ طائف والے میرے ماموں ہوتے ہیں، دور کے نانیہال کے لوگ ہیں تو وہ شاید بات مانیں گے، لیکن انھوں نے بھی بات ماننے سے انکار کر دیا، تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت غم کی حالت میں بیٹھے اور وہاں جا کر دعا کی: 'اللھم انی اشکو الیک ضعف قوتی وقلۃ حلیتی وھوانی علی الناس '' اے اللہ! میں اپنی کمزوری، اسباب کی کمی اور لوگوں کے درمیان بے حیثیتی کی شکایت آپ ہی سے کرتا ہوں، اے اللہ! اگر آپ راضی ہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے اور اگر آپ ناراض ہیں تو آپ کو اس وقت تک منانا ضروری ہے جب تک کہ آپ راضی نہیں ہو جاتے'' اسئلک بنور

وجھک الذی اشرقت له الظلمات '' اے اللہ! میں آپ کے چہرے کے اس نور کے طفیل سے مانگتا ہوں جس سے سب ظلمتیں روشن ہوگئیں۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنی ذات کے ساتھ ایسا توکل، ایسا یقین، ایسا اعتماد عطا فرمادے کہ ہم ہر وقت اسباب کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اسباب کو اختیار تو کریں، لیکن نتائج اللہ کی ذات پہ چھوڑ دیں اور اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ اس میں ہمارے لئے خیر رکھ دیجئے، ہمارے لئے بہتری رکھ دیجئے، اللہ ہمارے لئے خیر کا معاملہ فرمائیے۔ ہمارے بزرگوں کی زندگیوں کو دیکھیں تو ہمیں ان میں توکل بہت کامل نظر آئے گا اللہ اکبر ایسے ایسے واقعات کہ آج کا انسان تو حیران ہی ہوجاتا ہے اللہ کی ذات پہ ایسا اُن کو توکل تھا اور پھر اللہ نے ان کو دنیا میں کیسے عزتوں سے نوازا اُن پر توکل کا غلبہ تھا، آج کے گھروں کے حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اسباب پر ہر وقت نظر رکھنے کے بجائے مسبب الاسباب پر نظر رکھیں اللہ تعالی سے مانگیں کہ اللہ!

تم ہی سے مانگیں گے تم ہی دوگے تمہارے ہی در سے لو لگی ہے

ہم اللہ کے در سے لو لگائیں اللہ ہمارے وکیل بن جائیں اللہ ہمارے کارساز ہوجائیں اور اللہ تعالی ہماری دنیا و آخرت کی پریشانیاں دور فرمادیں اور ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے والے بندوں کی فہرست میں شامل فرمالیں! آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

(نگاہِ اوّلیں کا بقیہ)

جو لوگ حماس کی تاریخ اور مزاج سے واقف ہیں، ان کے خیال میں حماس کے وزیر اعظم کا قطر کی سرزمین سے وہاں کے حکمرانوں کے سامنے اِس طرح کے عزائم کا اظہار اس حسنِ ظن کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے کہ تبدیلی اگر کچھ ہے تو وہ صرف حکمتِ عملی ہی میں ہے، مقصد اور نصب العین میں نہیں ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ تبدیلی اس نئے مرحلے کا تقاضا ہے جس میں بیت المقدس کی بازیابی کی عظیم جدوجہد، اپنے مکانی رقبہ کے دونوں سِروں میں (یعنی سرزمینِ خراسان اور بلادِ شام میں) داخل ہوچکی ہے —— دعا ہے کہ ہمارا یہ حسنِ ظن صحیح ثابت ہو اور جدوجہد کے ہر مرحلے میں اِن جاں بازوں کو صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ملتی رہے، اور قدم قدم پر اللہ کی نصرتیں ان سب کے شامل حال رہیں۔ **ویرحم اللہ عبداً قال آمیناً**

☆☆☆

مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی

دور حاضر میں اسلامی سزاؤں کی معنویت

جرمِ زنا کی سزا

(دوسری اور آخری قسط)

زنا کی سزا:

سورۂ نور کی دوسری آیت میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے اور تیسری آیت میں زانی اور زانیہ کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ زنا کے عمل سے گھن محسوس ہو، وہ دونوں آیات یہ ہیں:

''اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۲ اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳'' (نور:۲-۳)

(زنا کار عورت اور زنا کار مرد (دونوں کا حکم یہ ہے) ان میں سے ہر ایک کے سو سو دُرّے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے، زنا کار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بجز زنا کار عورت اور مشرکہ عورت کے اور زنا کار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور اہل ایمان سے یہ حرام کر دیا گیا ہے)

زنا کی سزا سو کوڑے لگانا اس وقت ہے جب کہ زنا کرنے والا شخص عاقل، بالغ آزاد تو ہو لیکن شادی شدہ نہ ہو، اگر وہ شادی شدہ بھی ہے تو اس کے لئے زنا کی سزا یہ ہے کہ اسے پتھر سے مارا جاتا رہے یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے، اسے اصطلاح میں زجم کہا جاتا ہے، شادی شدہ شخص کے لئے رجم (سنگسار کیا جانا) کی سزا متواتر احادیث سے ثابت ہو، خوارج کے علاوہ باقی تمام اسلامی فرقے رجم کی سزا پر متفق ہیں۔

کیا زنا کی سزا بہت سخت ہے؟

بعض ظاہر بین یہ کہتے ہیں کہ زنا کے جرم پر رجم کی سزا یا سو کوڑے لگانے کی سزا بڑی سخت سزا ہے، اس طرح کی باتیں زبان وقلم پر مغرب کے غلط پروپگنڈہ سے متاثر ہو کر آرہی ہیں، دور حاضر میں زنا عیب کے بجائے ہنر بنتا جارہا ہے اور بہت سے ممالک میں اس کی قانونی اجازت ہے، بہ شرطیکہ زور زبردستی کا عنصر شامل نہ ہو اور بہت سے ممالک کے اسکولوں اور کالجوں میں سیکس کی تعلیم اس طرح دی جارہی ہے کہ شادی کے بندھن میں بندھنے سے پہلے لڑکے لڑکیوں کا بار بار جنسی عمل سے گذرنا ایک عام بات ہوگئی ہے، تعلیم گاہوں، آفسوں، کارخانوں میں اور ہر جگہ مرد وزن کا بے محابا اختلاط ہے، عریانیت اور بے حیائی اس قدر عام ہے کہ حیاداروں کے لئے راستہ چلنا مشکل ہے ایسے ماحول اور حالات میں زنا کی اسلامی سزا ضرور سخت محسوس ہوگی۔

زنا کے نقصانات:

لیکن زنا کے جو غیر معمولی نقصانات ہیں اور معاشرہ پر اس کے جو خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں، جس کا اعتراف اس دور کے ماہرین جنسیات وسماجیات بھی کرتے ہیں اگر ان کو مدنظر رکھا جائے تو یہ سزا ذرا بھی سخت محسوس نہ ہوگی، زنا سے نسب اور نسل کی بربادی ہوتی ہے، خوفناک بیماریاں پھیلتی ہیں، زنا میں ملوث ہونے سے شرم وحیا ختم ہو جاتی ہے، شرم وحیا وہ صفت ہے جو انسان کو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے اور جب انسان میں زنا کی نحوست سے بے حیائی آگئی اور شرم رخصت ہوگئی تو اسے کسی جرم اور برائی کرنے میں باک محسوس نہیں ہوتا۔ اس طرح سماج میں بے حیائیوں اور برائیوں کا چلن ہو جاتا ہے اور معاشرہ فاسد ہو جاتا ہے۔

زنا کی تباہ کاریاں:

مغربی ممالک میں زنا کو قانونی جواز ملنے اور زنا کا رواج بڑھنے سے صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں میں نکاح کا رواج ہی ختم ہوتا جارہا ہے اور فیملی جو انسانی سماج کی مضبوط بنیادی اینٹ ہے اسی کا وجود خطرے میں ہے، نوجوانوں کا رجحان یہ بنتا جارہا ہے کہ جب نکاح کے بندھن میں بندھے بغیر اور نکاح کی ذمہ داریاں اٹھائے بغیر جنسی خواہش پوری کرنے کا آسان اور سستا راستہ (زنا) موجود ہے تو شادی بیاہ کی جھنجھٹ میں کیوں پھنسا جائے اور ایک ہی جنسی غذا پر کیوں قناعت کی جائے، اور اس سے

زیادہ خطرناک اور خلاف فطرت یہ رجحان پروان چڑھ رہا ہے کہ جب مسئلہ جنسی خواہش پوری کرنے کا ہی ہے تو مخالف جنس کی کیا قید ہے، مرد مرد سے اور عورت عورت سے بھی تو جنسی خواہش پوری کر سکتے ہیں چنانچہ اب ہم جنسی کی وبا بہت سے ملکوں میں بلکہ تقریباً پوری دنیا میں پھیل چکی ہے، مختلف ممالک میں اسے قانونی جواز حاصل ہو چکا ہے۔

اس لذت کوشی کے نظریہ نے مغربی ممالک میں بڑی قیامت ڈھائی ہے، بہت سے ملکوں میں آبادی کی شرح نمو رک چکی ہے یا بہت معمولی ہے، ان ممالک کے ماہرین سماجیات پریشان ہیں کہ اگر یہی صورت حال رہی تو آبادی اس قدر گھٹ جائے گی کہ ان ممالک کو دوسرے ممالک سے بڑی تعداد میں انسان درآمد کرنے پڑیں گے اور خود ان ممالک میں وہاں کے اصل باشندے عددی لحاظ سے مغلوب ہو جائیں گے۔

زنا کاری اور ہم جنسی کے نقصانات:

زنا کاری اور ہم جنسی کی وبا سے آبادی گھٹنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم جنسی میں تو بیج کھیت میں ڈالنے کے بجائے ناقابل کاشت بنجر زمین میں پڑ رہا ہے یا خشک پتھروں پر ڈالا جا رہا ہے، لہٰذا توالد وتناسل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ بے پناہ تولیدی قوت وقتی لذت کوشی کی نذر ہو جاتی ہے۔

زنا کاری کی صورت میں زنا کرنے والے مرد اور عورت اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ حمل نہ ٹھہرنے پائے، اس کے لئے مانع حمل دوائیں اور تدبیریں استعمال کرتے ہیں، میڈیکل سائنس نے اس میدان میں کافی ترقی کی ہے اور اس مقصد کے لئے بہت سی سستی مہنگی دوائیں ایجاد کردی ہیں خواہ ان کا کتنا خطرناک Side effect (نقصان) ہو اور مردوں کے لئے بھی ایسی چیزیں ایجاد کردی ہیں جن کے استعمال سے استقرار حمل کا خطرہ کم سے کم ہو جاتا ہے، غرضیکہ زنا کرنے والے مرد اور عورت اپنی جوانی کا جوہر بڑی سخاوت اور فراخ دلی سے برباد کرتے ہیں اور جوانی کا ابتدائی حصہ جو نسل انسانی کی کاشت کے لئے موزوں ترین ہے اسے وقتی لذت کوشی میں برباد کر دیتے ہیں، ان مانع حمل دواؤں اور تدبیروں سے ان کی تولیدی قوت ختم ہو جاتی ہے یا بہت کمزور پڑ جاتی ہے، اس لئے اگر وہ بعد میں چاہتے بھی ہیں کہ شادی بیاہ کرکے ازدواجی زندگی گذاریں اور صاحب اولاد ہو جائیں تو انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، اولاد یا تو ہوتی نہیں یا ایک دو بچوں پر کھاتا بند ہو جاتا ہے۔

ایک مدت تک زنا کاری میں ملوث رہنے کی وجہ سے جو خطرناک جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں گھیر لیتی ہیں وہ ان نقصانات کے علاوہ ہیں۔

رحم مادر میں بچوں کا قتل:

زنا کے نتیجے میں اگر حمل ٹھہر گیا اور مانع حمل دوائیں اور تدبیریں کارگر نہ ہوئیں تو زنا کار عورت حمل گروانے کی کوشش کرتی ہے اور اس کام کے لئے ماہر ڈاکٹرس کی خدمات ہر شہر اور ہر علاقہ میں حاصل ہیں، اس طرح ہر روز ہزاروں نہیں لاکھوں معصوم بے قصور بچے شکم مادر میں پوری بے دردی کے ساتھ قتل کر دیے جاتے ہیں اور زنا کار مرد اور عورت کے گھناؤنے جرم کی سزا اس بے گناہ بچے کو دی جاتی ہے جس نے ابھی اس کائنات رنگ و بو میں آنکھ بھی نہیں کھولی ہے۔

اسقاط حمل سے عورت کے جسم پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں اس کی صحت برباد ہو جاتی ہے، تولیدی قوت بہت کمزور پڑ جاتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ اسقاط حمل بار بار کرایا جائے۔

زنا کاری سے پیدا شدہ بچوں کا لرزہ خیز انجام:

زنا کرنے والی عورت کو اگر حمل ٹھہر گیا اور وہ کسی وجہ سے اسقاط حمل بھی نہ کرا سکی اور اس کے بالکل نہ چاہنے کے باوجود اس کے چمن میں پھول کھل گیا، اس کے ساتھ وہ عورت جو برتاؤ کرتی ہے اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسانیت شرما جاتی ہے۔

یہ معصوم بچہ جس کی ذمہ داری نہ وہ زنا کار مرد لینے کو تیار ہے جس کے نطفہ سے اس کی تخلیق ہوئی نہ وہ عورت اس کے بوجھ کو اٹھانے پر آمادہ ہے جس کے شکم میں اس کی پرورش ہوئی، اس معصوم بچے یا بچی کو بے دردی کے ساتھ مار کے کہیں پھینک دیا جاتا یا دفن کر دیا جاتا ہے یا اگر ممتا نے مارنے نہ دیا تو زندہ حالت میں اسے کسی ویران یا سنسان جگہ لے جا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، یہ بچہ اس ویران جگہ میں تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے، یا اگر کسی کی نظر پڑ گئی یا پولس کو اطلاع ہو گئی تو اسے کارروائی کے بعد ان سرکاری اداروں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، جو ایسے لاوارث، بچوں کی نگہداشت کے لئے بنائے گئے ہیں۔

اس طرح کے لاکھوں بچے حکومت کے بجٹ پر ایک بار ہوتے ہیں، ان کی دیکھ ریکھ، کھانے

پینے رہنے اور ان کی تعلیم وتربیت، علاج معالجہ پر ملک کے بجٹ کا معتد بہ حصہ صرف ہوتا ہے یعنی ان زنا کاروں کی لذت کوشیوں اور ہوس رانیوں کی سزا پورے ملک کو جھیلنی پڑتی ہے۔

معصوم اور بے گناہ بچے:

پھر ان لاوارث بچوں کی دیکھ ریکھ، نشو ونما اور تعلیم وتربیت کا نظام ان سرکاری یا نیم سرکاری اداروں میں خواہ کتنے اعلیٰ پیمانے پر کر دیا جائے ان کی صحیح نشو ونما نہیں ہو پاتی، بچوں کی ابتدائی نشو ونما کی فطری جگہ فیملی ہے جہاں اسے ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت وتربیت ملے، اپنائیت کا ماحول ملے، بچوں کے لئے بالغ ہونے کے بعد بھی ماں باپ، بھائی، بہن اور دوسرے اہل خاندان سہارا بنتے ہیں، قدم قدم پر اسے مشورے دیتے ہیں، ماں باپ اور خاندان کے سپورٹ سے بچہ آگے بڑھتا ہے اسے اپنی پشت پر ایک بڑی طاقت محسوس ہوتی ہے، اس کے برخلاف یہ لاوارث بچے جن کا اوپر ذکر ہوا کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتے ہیں، ان کی نشو ونما فطری طور پر نہیں ہو پاتی مختلف قسم کے نفسیاتی اور جسمانی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، صحیح تربیت اور صحبت نہ ملنے کی وجہ سے بسا اوقات ان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، عادات خراب ہو جاتی ہیں، اور رفتہ رفتہ جرائم کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

زنا کے بدترین نتائج کے اس مختصر تجزیہ کے بعد بھی کیا یہ کہنے کا جواز باقی رہتا ہے کہ اسلام نے زنا کی جو سزا (سنگسار کرنا، سو کوڑے لگانا) مقرر فرمائی ہے وہ جرم کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے؟

زنا ثابت کرنے کا معیار:

پھر اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعت میں زنا کی یہ سزا کب جاری ہوتی ہے؟ شریعت نے جرائم کے ثبوت کے لئے جو معیار متعین کیا ہے اس میں زنا کو ثابت کرنے کا معیار سب سے سخت ہے، دوسرے معاملات میں عموماً دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہوتی ہے، حتی کہ قتل جیسے بھیانک جرم کو ثابت کرنے میں دو مردوں کی گواہی کافی مانی جاتی ہے، لیکن جرم زنا ثابت کرنے کے لئے چار عادل گواہوں کی گواہی ضروری ہے، اس سے کم میں جرم زنا ثابت نہ ہوگا، اور ان گواہوں کی گواہی میں بھی مکمل صراحت اور وضاحت ضروری ہے، یہ گواہی دینا کافی نہ ہوگا کہ میں نے فلاں فلاں کو ایک ساتھ برہنہ لیٹا ہوا دیکھا یا بوس وکنار کرتا ہوا دیکھا بلکہ صاف صاف یہ کہنا ہوگا کہ میں نے فلاں کو فلاں سے اس

طرح زنا کرتا ہوا دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی داخل کی جاتی ہے۔

پھر یہ پہلو بھی مدنظر رہے کہ قاضی کے یہاں زنا کی گواہی دینا بھی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ اگر شہادت کا نصاب مکمل نہ ہوسکا، یعنی چار گواہ فراہم نہ ہوسکے صرف تین لوگوں نے گواہی دی، یا چار گواہوں میں سے کسی ایک گواہ میں شہادت قبول کئے جانے کی شرطیں مکمل نہیں ہیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ نہیں نکلے گا کہ جرم زنا ثابت نہیں ہوا، بلکہ گواہوں پر الزام تراشی (قذف) کی سزا اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

جنسی بھیڑیا:

ظاہر ہے کہ چار معتبر آدمیوں کی طرف سے زنا کی اتنی صاف گواہی اسی انسان کے خلاف مل سکتی ہے جو جنسی خواہش کی تکمیل میں اتنا دیوانہ ہو چکا ہو کہ برسر عام یا بھرے مجمع میں اس طرح کی واردات کرنے لگا ہو، یہ شخص تو جنسی بھیڑیا ہے جس کا وجود سماج کے لئے باعث عار ہے، وہ سماج کا ایسا ناسور ہے جس سے سماج کو پاک کرنا ضروری ہے، پھر بھی شریعت نے اتنی رعایت رکھی ہے کہ اگر وہ شخص شادی شدہ نہیں ہے اور اسے اپنی جنسی خواہش پورا کرنے کا جائز موقع اب تک نہیں ملا ہے اس کا جرم اس شخص کے مقابلہ میں کچھ ہلکا ہے، جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود اتنے کھلے ہوئے جرم زنا کا ارتکاب کیا، لہذا غیر شادی شدہ شخص کی سزا سو کوڑے لگانا اور شادی شدہ شخص کی سزا سنگسار کیا جانا ہے۔

زنا کا اقرار:

زنا کی سزا اقرار سے بھی ثابت ہوتی ہے، لیکن زنا کا گناہ واقع ہونے کے بعد انسان پر لازم نہیں ہے کہ قاضی کی عدالت میں آکر اپنے گناہ کا اقرار کرے اپنے اوپر حد (سزا) جاری کرائے، بلکہ اگر اس کا جرم چھپا ہوا ہے تو اس کا چرچا نہ کرے بلکہ جس چیز پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اس پر خود بھی پردہ ڈالے رہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے، اپنے گناہوں پر نادم ہو، اور آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، امام ابوحنیفہ اور دوسرے متعدد ائمہ کے نزدیک صرف ایک بار اقرار کرنے سے زنا کی سزا جاری نہیں کی جائے گی بلکہ جب الگ الگ چار مجلسوں میں آکر قاضی کے پاس اقرار کرے اور قاضی کے ٹالنے کی کوشش کے باوجود وہ اپنے اقرار پر اصرار کرے، رجوع نہ کرے تب زنا کی سزا جاری کی جائے گی۔

عہد نبوی میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا کہ شہادت کی بنیاد پر زنا کی سزا جاری کی گئی ہو، زنا کی سزا جاری کرنے کے جو چند واقعات پیش آئے ان سب میں اقرار کی بنا پر سزا جاری کی گئی۔

ان سب تفصیلات کو پڑھنے کے بعد بھی کیا کوئی صاحب ہوش وخرد کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے جرم زنا کی جو سزا مقرر فرمائی ہے وہ سنگدلانہ اور نا منصفانہ ہے؟ اسلام کی مقرر کردہ دوسری سزاؤں کی طرح یہ سزا بھی انتہائی معقول اور مبنی بر انصاف ہے، جرم زنا کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے اس سزا کو جاری کرنا سراسر انسانیت کے مفاد میں ہے۔

☆☆☆

الفرقان کی ڈاک

محترم ومکرم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الفرقان فروری 2012 موصول ہوا، ماشاء اللہ، ہر شمارہ مفید مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، آپ کی ہمت کو داد دینے کا دِل چاہتا ہے، معہد الامام ولی اللہ الدھلوی کی تدریسی مصروفیات اور خانقاہ کے اصلاحی مشاغل اور پیہم اسفار کے ساتھ اتنا معیاری رسالہ تیار کرنا، واقعی بڑی قابل رشک بات ہے۔ چشم بدور! اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور اپنی مدد شامل حال فرمائے اور مخلص اور باصلاحیت رفقاء آپ کو عطا فرمائے۔ اور آپ سب کی مساعی کو آپ کے عظیم والد کے صدقۂ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے۔

فروری کے شمارے میں حضرت مولانا عبدالقوی صاحب کا مکتوب بھی بہت اہم ہے، میرا تعلق تبلیغی محنت سے تقریباً ۴۵ سال پُرانا ہے۔ لیکن کیا عرض کروں، عام طور پر اپنے ساتھیوں کی فکر وسوچ کو دیکھ کر حیرت اور غم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا موصوف نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ''دین'' کے بجائے ''کام'' کو ہی مقصود سمجھا جا رہا ہے''۔ مولانا کے یہ الفاظ بھی بہت توجہ کے مستحق ہیں کہ ''وہ فکری انحراف جواب عمومی اور عوامی سطح سے بلند ہوتا جا رہا ہے اور جو حق کی طرف بُلانے کے اس سیدھے سادے کام کو ''مستقل مکتب فکر'' کی حیثیت میں تبدیل کر رہا ہے۔۔۔'' واقعۃً بالکل صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کے مسلک اور انکے مشرب سے کافی دوری ہوتی جا رہی ہے، اور کسی اور طرف شعوری یا غیر شعوری طور پر امّت کو لے جایا جا رہا ہے۔ بہر حال اللہ آپ کو سلامت رکھے، اس جانب بھی توجہ کئے رہیئے، اور جو کچھ ہو سکے اس عظیم دینی جدوجہد کو صحیح رُخ پر رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہیئے۔۔۔ والسلام

(اپنا نام اور پتہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا، اس لئے یہ خط دستی بھیج رہا ہوں، میں اکثر آپ کی مجلس میں شرکت کرتا رہتا ہوں، بہر حال اس اخفاء حال کے لئے معذرت خواہ ہوں، مگر مجبور ہوں)

☆☆☆

ماہنامہ الفرقان کے خریداروں سے ایک اہم گذارش

''خریداری نمبر'' اور ''مدت خریداری'' سے متعلق

☆ کیا آپ کو اپنا خریداری نمبر (Subscription No.) اور آپ کی مدتِ خریداری (Subscription validity) معلوم ہے؟؟؟؟ اگر نہیں تو فوراً معلوم کریں، اور اسکو نوٹ کر کے اپنے پاس محفوظ کرلیں۔۔۔۔ اسی طرح مدتِ خریداری کب ختم ہو رہی ہے؟ اس بات کو بھی محفوظ کرلیں؛ تاکہ آپ مدت خریداری کے ختم ہوتے ہی زرِ تعاون فوری طور پر بغیر کسی تاخیر کے ارسال کرسکیں۔۔۔۔

''زرِ تعاون'' ارسال کرنے اور VP سے متعلق

☆ مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی جلد از جلد بلا تاخیر اپنا چندہ روانہ فرمادیں۔۔

☆ اگر آپ بذریعہ منی آرڈر اپنا زرِ تعاون بھیج رہے ہیں، تو پیغام کی جگہ پر اپنا پورا پتہ صاف صاف لکھیں، پن کوڈ ضرور درج کریں، ساتھ ہی ساتھ فون نمبر بھی لکھیں، جو حضرات EMO (Electronic money order) کے ذریعہ زرِ تعاون ارسال کرتے ہیں وہ حضرات اپنا خریداری نمبر ضرور ارسال فرمائیں، کیونکہ EMO میں پتہ پرنٹ ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے اپنا خریداری نمبر ضرور درج کردیں۔ تاکہ آپ کو VP کے ذریعہ رسالہ نہ روانہ کیا جائے۔۔۔ کیونکہ تاخیر کی صورت میں اگر اطلاع نہیں کی گئی تو مقررہ تاریخ میں رسالہ بذریعہ VP روانہ کردیا جائے گا، اِس بیچ اگر آپ نے زرِ تعاون بھیج دیا، اور VP بھی یہاں سے روانہ ہو چکی، تو VP کے مزید Rs.35 آپ پر بار ہوگا، اور اگر آپ نے VP واپس کردی تو الفرقان کو فی شمارہ Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے۔

☆ اگر کسی وجہ سے مدتِ خریداری کے ختم ہوتے ہی آپ زرِ تعاون ارسال نہیں کر پائے، اور تاخیر کی اطلاع بھی دفتر میں نہیں کرسکے، تو فوری طور پر آفس فون کر کے اپنا خریداری نمبر بتا کر معلوم کرلیں کہ میرا رسالہ بذریعہ VP روانہ ہو چکا یا نہیں؟ اگر نہیں! تو فوراً اپنا تعاون ارسال فرمائیں۔۔۔ اگر VP روانہ کی جا چکی ہے تو اب صرف VP کا انتظار فرمائیں۔ اور VP پہونچنے پر اسکو ضرور حاصل کرلیں، واپس نہ کریں تاکہ آپ کی وجہ سے ادارۂ الفرقان کا نقصان نہ ہو۔

☆ اگر آپ نے صحیح وقت پر زرِ تعاون روانہ کردیا، مگر کسی وجہ سے وقت پر وہ الفرقان نہیں پہونچا، یا اسکی اطلاع الفرقان نہ پہونچ سکی، اور الفرقان سے VP آپ کو روانہ کردی گئی، تو ہماری درخواست ہے کہ آپ اُس VP کو وصول فرمالیں، اس صورت میں آپ کی مدت خریداری میں دو سال کا اضافہ ہو جائے گا۔ البتہ آپ VP واپس کرنے میں حق بجانب تو ہوں گے، مگر بہر حال الفرقان کو Rs.40 کا نقصان ہوگا۔

غیر ضروری سمجھ کر آپ اس صفحہ کو نظر انداز نہ کریں،

—— ناظم شعبہ رابطۂ عامہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ